Calcutta Art Press, Delhi.

1952

بچوں کے ڈرامے اور دوسری کتابیں

دیانت (ڈراما) از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب شیخ الجامعہ
اس ڈرامے میں دیانت داری کی خوبیوں کو نہایت دلچسپ پیرائے میں دکھایا گیا ہے۔ قیمت صرف دو آنے

شریر لڑکا (ڈراما) از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب
شریر لڑکا اور نالائق لڑکا بھی اچھی تربیت سے اچھا اور نیک طینت ہو سکتا ہے قیمت صرف چار آنے

بچوں کا انصاف (ڈراما) جامعہ میں کھیلا جا چکا ہے اور پسند کیا گیا ہے مع فوٹو بلاک دربار ہارون رشید۔ قیمت صرف ۴ر چار آنے۔

محنت (ڈراما) اس میں دکھایا گیا ہے کہ محنتی آدمی کیسی چین کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور مفت کا مال بہت جلد ختم ہو جاتا ہے۔ قیمت چار آنے ۴ر

اسکول کی زندگی ڈراما ہندوستان کے مدرسوں کی عام زندگی بتائی گئی ہے، اچھے اور شریر طالب علموں کا مقابلہ کیا گیا ہے۔ قیمت صرف چار آنے

قوم پرست طالب علم ڈراما یہ عبدالغفار صاحب مدہولی کا ایک قومی ڈراما ہے۔ جس میں ہندو مسلم اتحاد کی تعلیم دی گئی ہے قیمت صرف ۴ر

سمندر کا عجائب خانہ پانی کے عجیب و غریب جانوروں کا ذکر ہے اور بہت دلچسپ تصویریں ہیں۔
قیمت صرف بارہ آنے (۱۲ر)

ترکوں کی کہانیاں ترک بچوں کی بہادری ہمت اور جرات کی چند سچی کہانیاں۔ ان کو پڑھ کر بچوں میں قومی جوش پیدا ہوتا ہے۔ قیمت صرف چار آنے

تاریخ ہند کی کہانیاں سینکڑوں برس پہلے کی تاریخی کہانیاں، آسان اور پیاری زبان میں لکھی گئی ہیں، قیمت صرف چار آنے۔

دنیا کے بسنے والے حبشی، امریکہ کے قدیم باشندے بدو عرب، افریقہ کے بونے جاپانی، سوئستانی اور اسکیمو وغیرہ کے عجیب حالات مع دلچسپ اور ہنسانے والی تصویروں کے۔ قیمت صرف چھ آنے۔

مکی چوہا یہ تصویردار کتاب بہت ہی چھوٹے بچوں کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں پانچ حروف سے زیادہ والے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں قیمت صرف ۳ر

خزانہ اس میں روپے پیسے کے متعلق دلچسپ کہانیاں ہیں بچے قصہ ہی قصے میں بہت کچھ سیکھ جاتا ہے۔ قیمت ۲ر

لومڑی اور مینا یہ بھی بچوں کے لئے بڑی مزیدار کتاب ہے نہایت آسان زبان ہے، قیمت ۲ر

موتی وپس بہت ہی چھوٹے بچوں کیلئے نہایت آسان زبان میں تصویردار دلچسپ کہانی قیمت ۲ر

تعلیمی کھیل اس کتاب میں اول جماعت سے لیکر چھٹی جماعت تک کے نہایت مفید کھیل درج ہیں۔ قیمت صرف ۵ر

مکتبہ جامعہ، قرول باغ، دہلی

جناب بدرالدین صاحب چھٹی بی اے جامعہ
جو ۲۵ جنوری کے جہاز سے بمبئی سے مصر روانہ ہوگئے
اس مرتبہ کے پیام تعلیم میں اُن کے
متعلق ایک مضمون لکھا گیا ہے
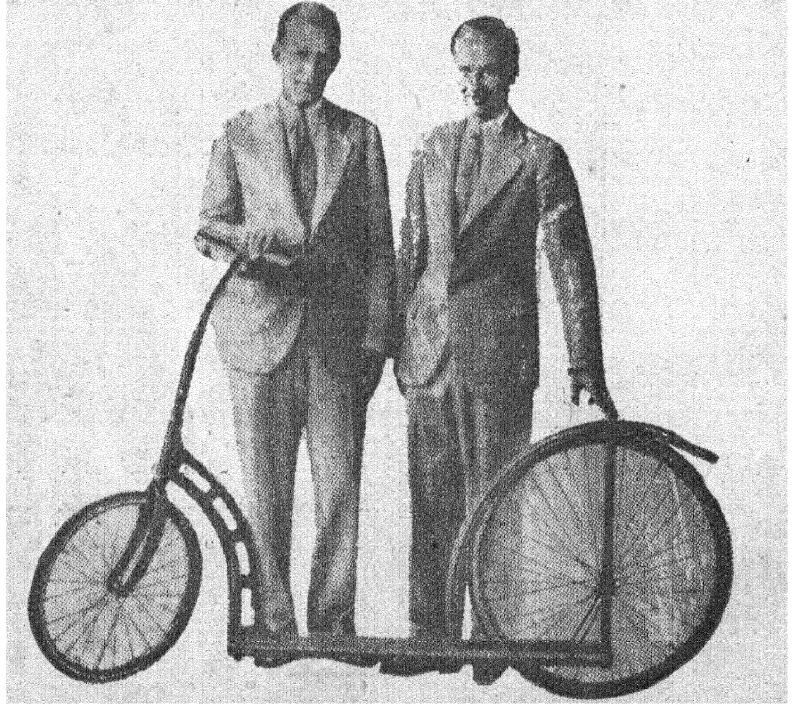
عجیب و غریب
سائکل
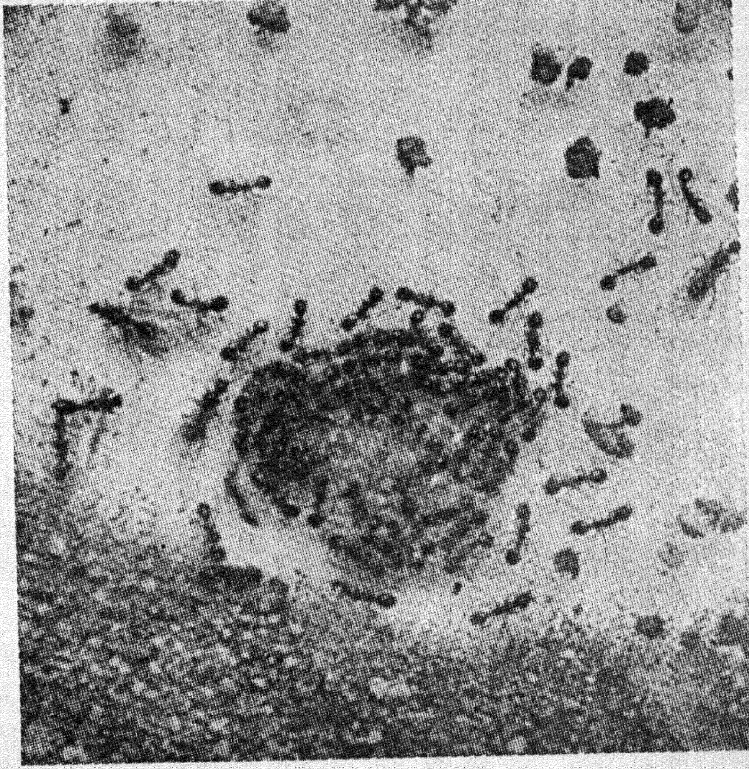
ذرا اِن چیونٹیوں کو دیکھنا - کیسی مشغول نظر آرہی ہوں -
ایسا معلوم ہوتا ہے - کہ کوئی اہم جلسہ ہے - اور کسی
اُلجھی ہوئی بات کو سلجھایا جا رہا ہے -

Calcutta Art Press, Delhi

جلد ۱۱	فروری سنہ ۱۹۳۵	نمبر ۲

فہرست مضامین

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ام اے پی ایچ ڈی

(جامعہ پریس)

قیمت سالانہ عہ پیامِ تعلیم کے نئے خریدار فی پرچہ ۳ر

محمد انور خاں ، حیدرآباد دکن
کنور محمد اعظم شاہ ۔ اعظم گڈھ
سید منظور حسین خطیب ، ایوت محل
محمد صابر الدین ، حیدرآباد
انیس الرحمٰن ، حیدرآباد دکن
محمد محمود ۔ ستونگ
محمد فاروق ۔ حیدرآباد
گورنمنٹ اردو مڈل اسکول ، ارہالی ۔
افتخار الاسلام ۔ نئی دہلی
سکریٹری ریڈنگ روم ۔ بھیونڈی

گورنمنٹ اردو ہائی اسکول ، امراؤتی ۔
سید اطہر حسین ۔ امراؤتی کیمپ ۔
مہندر سنگھ ۔ لدھیانہ
جارج شبلی ہائی اسکول ۔ اعظم گڈھ
اینگلو اسلامیہ ہائی اسکول ۔ مظفر نگر
رحمت اللہ خاں ۔ دہرہ دون
محمد عذیر ۔ اعظم گڈھ
پرتاب چند ۔ نئی دہلی ۔
دلجیت سنگھ ۔ نئی دہلی
فخر الاسلام ۔ نئی دہلی

بیرونِ ہند

نعمت اللہ صاحب ۔ پی ، ڈبلیو ، ڈی ، ہانگ کانگ

بچوں سے باتیں

"انوکھے عدد" والے مضمون کو بچوں نے بہت پسند کیا ہے۔ ہمارے پاس بہت سے خط آئے ہیں جن میں بچوں نے اس مضمون سے اپنی بے انتہا دلچسپی ظاہر کی ہے اور محترم مضمون نگار صاحب کے کہنے کے مطابق ہندسوں کے تعویذ بھی بنا کر بھیجے ہیں ہم ان سب خطوں کو یہاں نقل کرنا چاہتے تھے مگر افسوس ہے کہ پرچے میں جگہ کم ہے۔ اسی مجبوری کی وجہ سے ہم صرف ایک خط جمیلہ خاتون کا شائع کر رہے ہیں۔

اس مرتبہ ہم نے اپنے محترم مضمون نگار صاحب سے بڑے اصرار سے اس سلسلے کا دوسرا مضمون لکھوایا ہے یہ پہلے مضمون سے بھی زیادہ دلچسپ ہے اگر بچے اسی طرح دلچسپی لیتے رہے تو انشاء اللہ ہم ان سے اس سلسلے میں اور بھی مضمون لکھوا سکیں گے۔

اسی طرح ٹکٹ جمع کرنے کے بارے میں جو مضمون شائع ہوا تھا اسے بھی لڑکوں نے بہت شوق سے پڑھا۔ ذرا بڑی عمر کے لڑکوں نے اس سے زیادہ دلچسپی ظاہر کی ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ننھے ننھے بھائیوں کو بھی ٹکٹ جمع کرنے یا اسی قسم کے کسی اور مشغلے کی طرف ابھی سے توجہ ہو جائے تاکہ شروع سے ہی ان میں اپنے شوق کی چیزوں کی تلاش اور انھیں سلیقے سے رکھنے کی عادت پیدا ہو اور وہ بے کار مشغلوں میں نہ پڑنے پائیں۔ علاوہ اس کے اس میں اور بھی بہت سے فائدے ہیں جنھیں یہاں تفصیل سے بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔ ہمیں امید ہے کہ بچے ہماری اس بات کو پڑھ کر کوئی دلچسپ مشغلہ اپنے لئے اختیار کر لیں گے ہم اس بارے میں ان کی ہر ممکن مدد کے لئے تیار ہیں

اس پرچے میں ٹکٹوں کے بارے میں شمیم صاحب کا دوسرا مضمون شائع ہو رہا ہے اسے غور سے پڑھئے انھوں نے اپنے مضمون میں زیادہ زور اسی پر دیا ہے

کہ پہلے ہندوستان کے ٹکٹ جمع کئے جائیں۔ کیوں کہ خود ہندوستان میں اتنی مختلف قسم کے ٹکٹ ہیں کہ انھیں کو جمع کرنا ایک اہم کام ہے پھر بھی ان بھائیوں کے لئے جو ہندوستان سے باہر کے ٹکٹ بھی جمع کرنا چاہتے ہیں وہ اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ۔

"میرے پاس ہندوستان سے باہر کے ٹکٹ بہت ہیں۔ نئے جمع کرنے والوں کو میں مفت دے سکتا ہوں لیکن ڈاک کا خرچ بھیجنا ضروری ہے اس لئے جو صاحب ۲ کے ٹکٹ بھیج دیں گے۔ انھیں ۱۰۰ ٹکٹ بھیج دئے جائیں گے۔"

پتہ یہ ہے۔ محمد شمیم۔ ڈاک خانہ دسنہ ضلع پٹنہ

سید مسعود علی صاحب کو تو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ ہمارے بہت پرانے مضمون نگار ہیں ان کے ایک تازہ خط سے ہمیں یہ معلوم کرکے بہت افسوس ہوا کہ ان کے والد جناب مولانا حاجی حافظ صوفی سید محمد معصوم علی شاہ کا اسی مہینے میں یکایک انتقال ہو گیا إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۔ مرحوم بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے، عابد و زاہد، صوفی اور پرہیزگار، بڑی بڑی دور سے لوگ آکر فیض حاصل کرتے تھے ہندو ہو یا مسلمان ہر شخص آپ کو عزت اور احترام کی نظر دیکھتا۔ سچ ہے اچھے آدمیوں کی دنیا قدر کرتی ہے ہمیں اس افسوسناک حادثے میں جناب مسعود علی صاحب سے دلی ہمدردی ہے۔ ہم اپنی اور پیام بھائیوں کی طرف سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ انھیں اور ان کے دوسرے عزیزوں کو صبر عطا فرمائے۔ آمین

ہمیں افسوس ہے کہ پچھلے پرچے میں خالدہ ادیب خانم والے مضمون میں کچھ غلطیاں رہ گئی ہیں صفحہ ۲۳ پر پہلے کالم کی آٹھویں اور نویں سطر میں سرویا کی جگہ آسٹریا اور دسویں سطر میں "آسٹریا والوں" کی جگہ سربیا والوں۔ بنا دو۔ ان ناموں کے بدل جانے سے سارا مضمون غلط ہو گیا ہے

بڑی خوشی کی بات ہے کہ پیام تعلیم کے سالگرہ نمبر کو تمھاری طرح اور سب لوگوں نے پسند کیا۔ اخباروں اور رسالوں نے بھی اس پر بہت اچھی رائیں لکھی ہیں مشہور انگریزی اخباروں۔ ٹریبیون، ہندوستان ٹائمز

اور نیشنل کال نے بہت اچھے ریویو کئے ہیں، ٹریبیون کے ریویو کا خلاصہ یہ ہے:۔

رسالہ اپنی ظاہری آب و تاب دلچسپ مفید اور سہل مضامین اور اچھی نظموں کے اعتبار سے بہت کامیاب ہے۔ جامعہ سے ایسے ہی رسالے کی توقع تھی۔ مجموعی حیثیت سے اس میں بچوں کے لئے بہت قیمتی معلومات ہیں“

اردو کے مشہور روزانہ اخبار خلافت نے۔ بہت طویل ریویو کیا ہے۔ ہم صرف یہاں دو تین۔ سطریں نقل کرتے ہیں:۔

”........ یہ خاص نمبر اور بھی زیادہ دلچسپ اور مفید ہے اس میں بچوں کے ذوق اور معیار کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے اخلاقی اور علمی مضامین لکھے گئے ہیں۔ جو ان کے لئے بے حد نفع بخش ہیں۔ زبان اتنی آسان اور سہل ہے۔ کہ چھوٹے چھوٹے بچے بآسانی سمجھ سکتے ہیں“

پنجاب کا بچوں کا ہفتہ وار اخبار ”پریم“ لکھتا ہے:۔

”........ تاسیس نمبر میں لڑکوں کے فائدے اور دلچسپی کے لئے ملک بھر کے مشہور لکھنے والوں سے بہت اچھے اچھے مضمون لکھوا کر شائع کئے گئے ہیں کہانیاں بھی ہیں۔ کام کی باتیں بھی۔ معلومات بھی، نقشے اور تصویریں بھی۔ پرچہ ایسا ہے کہ بچے اور بچیاں اسے پڑھ کر خوش ہوں گے“

دہلی کا مشہور ادبی رسالہ شاہجہاں لکھتا ہے:۔

”........ اس رسالے کی ضخامت ”سو“ صفحات سے بھی زیادہ ہے شروع سے آخر تک نہایت مفید مضامین نظم و نثر پر مشتمل ہے۔ تمام مضمون نگار آمدہ عنوانوں پر نہایت سہل اور عام فہم زبان میں لکھے گئے ہیں۔ یہ مضامین نظم و نثر باتصویر بھی ہیں۔ جن سے رسالے کی دلکشی میں بہت اضافہ ہوگیا ہے اگر یہ رسالہ اسی معیار پر شائع ہوتا رہا تو تھوڑے ہی عرصے میں غیر معمولی مقبولیت حاصل کرے گا“

بہت سے رسالوں اور اخباروں کی رائیں ہم اس وقت جگہ کی کمی کی وجہ سے نہیں لکھ سکے ہیں۔

ان کے علاوہ پیام تعلیم کے اور بہت سے قدردان بھائیوں اور بزرگوں نے اس پرچے کے بارے میں اچھے خطوط لکھے ہیں۔ ان میں سے دو چار خطوں کا خلاصہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

جناب شبیر حسین صاحب ہیڈ ماسٹر مارسین اسلامیہ اسکول مارہرہ اپنے مکرمت نامے میں تحریر فرماتے ہیں

”میں ہمیشہ سے پیام تعلیم کا مداح رہا ہوں ... تاسیس نمبر میں نے از ابتدا تا انتہا۔ نہایت شوق سے پڑھا یقیناً ہر لحاظ سے قابل قدر چیز ہے۔ میری دلی آرزو ہے کہ پیام تعلیم ہندوستان کے ہزاروں طالب علم کے زیر مطالعہ رہے“

جناب مولوی امیر عالم صاحب اعوان (حقانی) ایڈیٹر ترجمان سرحد پشاور تحریر فرماتے ہیں:۔

”........ نہایت صمیم قلب سے سالگرہ نمبر پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں۔ اور دست بدعا ہوں کہ خدا جامعہ ملیہ اور پیام تعلیم کو دائمی زندگی عطا کرے“

ہمارے معزز مضمون نگار جناب سید ابو طاہر داؤد

صاحب، بی ایس سی لک تحریر فرماتے ہیں:۔

"...... پیام تعلیم کا سالگرہ نمبر شروع سے آخر تک دیکھا۔ خوب صورت تصویریں، عمدہ لکھائی چھپائی۔ بہترین مضامین غرض اب مجھے یہ کہنے میں کوئی خوف نہیں کہ پیام تعلیم ایک زندہ رسالہ ہے۔ جو دن پر دن ترقی کر رہا ہے۔ اور منزل مقصود سے قریب تر ہو رہا ہے۔"

جناب جیواد صاحب میرٹھی تحریر فرماتے ہیں:۔

"سالنامہ 'پیام' (تاسیس نمبر) بچوں کے لئے امسال کی بہترین تصنیف ہے۔ بڑی شخصیتوں کے ہمت افزا پیامات بچوں کے لئے پیاری پیاری نظمیں۔ اور گیت۔ مفید علمی اخلاقی، علمی، معاشرتی اور پر از معلومات مضامین دل چسپ قصے۔ اور کہانیاں۔ ڈرائنگ اور مختلف چیزوں کے نمونے، معمے اور تصویریں اتنی کہ کوئی صفحہ بھی تصویروں سے خالی نہیں، غرض ان ڈیڑھ سو صفحوں میں ہر چیز بچوں کے لئے موجود ہے۔"

میں جامعہ ملیہ اور اس کے عملے کو پیام تعلیم کے لکھنے پڑھنے والوں کو، تمام بچوں کو ایسے شاندار پرچے کی اشاعت پر ہدیہ مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

جناب محمد احمد صاحب سبزواری ایڈیٹر نوس لکھتے ہیں:۔

"رسالہ دیکھ کر طبیعت بہت خوش ہوئی مضامین بہت بہتر اور فائدہ مند ہیں۔ مشاہیر کی تصاویر بھی خوب ہیں۔ اور دوسری دل چسپ چیزوں کا تو ذکر ہی کیا۔ میں آپ کو اس کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں۔ خدا سے دعا ہے کہ آئندہ نمبر اس سے بھی بڑھ چڑھ کر رہے"

جناب سید مسعود علی صاحب میرٹھی تحریر فرماتے ہیں:۔

"تاسیس نمبر دیکھا۔ اور خوب دیکھا۔ ماشاء اللہ چشم بد دور۔ اس کامیاب کوشش پر میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں۔ مضامین کا انتخاب حقیقت میں بہترین ہے۔ میری دعا ہے کہ پیام تعلیم روز افزوں ترقی کرے۔ آمین۔"

انوکھے عدد

(ایک ماہر تعلیم کے قلم سے)

پچھلے پرچے میں ہم نے ایک چینی کتاب سے ایک انوکھا تعویذ نقل کیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے یہ پیام بھائیوں کو بہت پسند آیا، بہت سے بچوں نے خط لکھے ہیں کہ ایسے اور بھی انوکھے عدد بتائیے تو ہم اپنے بڑوں کو اور مدرسے میں دوسرے لڑکوں کو جا کر بتائیں۔ یا پہیلی کی طرح بوجھیں، ان لوگوں کا کہنا تو ماننا ہی پڑے گا۔

اچھا لو۔ ایک انوکھی بات تمھیں اور بتائیں۔ اور اب کی ہم کوئی ہندسے نہیں لکھتے، تم ہی کوئی عدد لے لو۔ جو تمھارا جی چاہے۔ مثلاً تم نے لیا ۷۶۵ اب اس عدد کو الٹ دو۔ تو ہوا ۵۶۷۔ اب بڑے عدد میں سے چھوٹے عدد کو گھٹا دو۔

۷ ۶ ۵
۵ ۶ ۷
―――――
۱ ۹ ۸

جو کچھ بچے گا وہ ۹ سے پورا پورا تقسیم ہو جائے گا۔

اچھا اب جس عدد سے چاہو اس بات کو آزما لو

مثلاً ایک عدد لو ۳۸۲۷

اسے الٹا تو ہوا ۷۲۸۳

بڑے میں سے چھوٹا عدد گھٹایا

توپہلے

$$
\begin{array}{r}
۷۲۸۳ \\
-۳۸۲۷ \\
\hline
۳۴۵۶
\end{array}
$$

یہ بھی ۹ سے پورا پورا تقسیم ہو جاتا ہے

اب تم خود جتنے عدد چاہو لے کر خود دیکھو۔ ابھی یہ لکھتے لکھتے ہم سے ایک غلطی ہوئی اور اس سے ایک اور بات معلوم ہوئی ۳۸۲۷ کا الٹا کرنے میں سلسلہ وہ قائم نہ رہا اور ہم نے لکھ دیا ۳۲۷۸، عدد تو سب وہی رہے مگر ترتیب بدل گئی گھٹایا

$$
\begin{array}{r}
۷۲۸۳ \\
-۳۲۷۸ \\
\hline
۴۰۰۵
\end{array}
$$

۹ سے تقسیم کیا تو ارے یہ بھی پورا تقسیم ہو گیا!

اب تو ہم نے بہت سے اور عدد لیے۔ اور انھیں ٹھیک ترتیب سے الٹا نہیں کیا بلکہ یوں ہی گڈمڈ کر دیا۔ بڑے میں سے چھوٹے کو گھٹایا جو بچا وہ ہمیشہ ۹ سے پورا پورا تقسیم ہو گیا

کیسی اچنبھے کی بات ہے۔ اب تم بھی جو عدد چاہو لے کر دیکھ لو۔ اور اپنے دوستوں سے بھی پوچھو اگر کوئی عدد ایسا ملے جس میں یہ بات نہ پائی جاتی ہو تو ہمیں ضرور خبر کرنا۔

عید کے دن

(از جناب ماسٹر سید صباح الدین صاحب بی ٹی علیگ)

آج عید کا دن ہے ۔ پھر رمضان کی عید!
ہر شخص خصوصاً بچے خوشی سے متوالے ہو رہے
ہیں ۔ مگر میاں نسیم کے یہاں آج بڑی چہل پہل ہے
بات یہ ہے کہ جب وہ عید کی نماز پڑھنے اپنے ابا
کے ساتھ گئے تو اپنے درجے کے ساتھیوں اور
بورڈنگ کے دوستوں کو کھانے کی دعوت دے
آئے تھے ۔ اب یہ سب بچے جمع ہو گئے ہیں ،
خوب خوشیاں منا رہے ہیں ۔ ہر ایک خوش نظر آرہا
ہے نئی نئی شرارتیں سوجھ رہی ہیں اور بڑے مزے
کے کھیل کھیلے جا رہے ہیں ۔ ابھی انھوں نے
آنکھ مچولی ختم کی تھی کہ بی نسیمہ بول اُٹھیں "چلو میں
تمھیں ایسا کھیل بتاؤں کہ عمر بھر یاد رکھو"۔
نعیم ۔ کیوں نہیں آخر آفت کی پرکالا جو ٹھہریں"
نسیمہ ۔ "اچھا لو سنو! ہم میں سے ہر ایک کاغذ کا
ایک ٹکڑا اور پنسل لے لے"۔

مجتبیٰ ۔ "پھر"
نسیمہ ۔ "پھر کیا پہلے یہ کام تو کر لو پھر آگے چلوں"۔
مجتبیٰ نے ہر ایک کے ہاتھ میں کاغذ اور پنسل
دے دی ۔ اب بی نسیمہ بولیں ۔ اچھا اب سامنے
کی گھڑی دیکھو تمھیں ۵ منٹ دئے جاتے ہیں اتنی
مدت میں تم سے جتنے حرف بھی لکھے جا سکتے
ہیں لکھو ۔ جو سب سے زیادہ لکھے گا جیت اسی
کی رہے گی ۔ بس تیار! ایک دو تین ۔
تمام لڑکوں اور لڑکیوں نے لکھنا شروع
کیا ۔ مگر بی نسیمہ واقعی آفت کی پرکالا نکلیں ، ان کے
حرف سب سے زیادہ تھے ، شاید گھر سے یاد کر کے
آئی ہوں ۔
میاں مجتبیٰ سے کہاں رہا جاتا تھا بولے "میں
اس سے بھی اچھا کھیل بتا سکتا ہوں ۔ اور یہ کھیل "ریل
گاڑی" کا ہے

مجتبیٰ نے ایک لمبی سی رسی لی اور اس میں ایک انگوٹھی پرودی ۔ تمام لڑکیاں اور لڑکے اسے پکڑ کر ایک دائرے کی شکل میں کھڑے ہوگئے ۔ اس کے بعد میاں مجتبیٰ نے بڑی شان سے کہا "نسیم! تمھارا نام دہلی اسٹیشن ہے ، نعیم تم کانپور ہو ، اور نسیمہ تم الہ آباد اسی طرح تمام لڑکوں اور لڑکیوں کے نام رکھے گئے اب سب بچوں نے انگوٹھی کو زور سے رسی کے اندر ہی اِدھر اُدھر گھمانا شروع کیا اس طرح کہ میاں مجتبیٰ کو پتہ نہ چل سکے کہ انگوٹھی جو ریل گاڑی کی طرح تیزی کے ساتھ چل رہی تھی کہاں پر ٹھہرتی ہے ۔ یعنی کس اسٹیشن پر رکتی ہے میاں مجتبیٰ اندازاً نام لے رہے تھے ۔ وہ دہلی کہتے تو انگوٹھی (یعنی ریل گاڑی) علی گڑھ کے پاس ٹھہری ہوتی اور کانپور بتاتے تو الہ آباد کے پاس گاڑی ٹھہرتی ۔ آخر بڑی مشکل سے انھوں نے ٹھیک اسی جگہ کا نام بتایا جہاں ریل گاڑی ٹھہری ہوئی تھی اب میاں مجتبیٰ دائرے کے اندر داخل کر لئے گئے اور دوسرا لڑکا باہر نکال دیا گیا جس کے اسٹیشن کا نام مجتبیٰ نے ٹھیک بتادیا تھا اور جب اس نے بھی اسٹیشن کا نام ٹھیک ٹھیک بتادیا جہاں گاڑی ٹھہرتی تھی تو وہ دائرے میں لے لیا گیا اور دوسرا نکال دیا گیا ۔ بڑا دلچسپ کھیل تھا ۔

میاں نعیم بھلا کیوں خاموش رہتے ۔ بولے "میں اس سے بھی زیادہ دلچسپ کھیل کھلاؤں گا" میں کمرے کے اندر جاتا ہوں ۔ وہاں سے تم میں سے ہر ایک کو پکاروں گا ۔ دیکھو باری باری سے میں جس کا نام لوں وہی آئے ۔" یہ کہہ کر میاں نعیم اندر چلے گئے ۔ باہر بچوں میں ایک خاص قسم کی بے چینی پھیلی ہوئی تھی کہ دیکھئے یہ حضرت کیا رنگ لاتے ہیں ۔ اتنے میں انھوں نے پکارا "جمیل" !

جمیل دوڑ کر اندر داخل ہوئے دیکھا کہ میاں نعیم ایک لانبی سی کاغذ کی ٹوپی اوڑھے کھڑے ہیں

ہاتھ میں کوئی چیز لئے ہوئے ہیں جس پر کپڑا ڈھکا ہے
میاں نعیم بولے "میں جادوگر ہوں تم کسی جانور کا نام
لو میں فوراً اسی کمرے میں تمھیں دکھادوں گا۔ جمیل
جلدی سے بول اُٹھے "گدھا" نعیم نے فوراً اپنی
ہاتھ والی چیز پر سے کپڑا اٹھادیا۔ یہ آئینہ تھا، اور
میاں جمیل کا چہرہ اس میں نظر آرہا تھا، جمیل!
لو دیکھ لو بھائی عین مین گدھا! دیکھ لیا نا؟

جمیل بے چارے اپنا سامنہ لے کر ایک
طرف کھڑے ہو گئے۔ نعیم نے ایک زور کا قہقہہ
لگایا۔

اب نسیمہ کی باری تھی۔ ان سے بھی اسی
طرح پوچھا گیا۔ کون سا جانور دیکھنا چاہتی ہو؟
وہ بولیں 'طوطا' نعیم نے جھٹ آئینہ کھول کر دکھادیا
اور کہا "لو یہ دیکھو طوطا"۔ نسیمہ یہ دیکھ کر بس شرما ہی
تو گئیں۔ خاص کر جب انھیں یہ خیال آیا کہ دن بھر
وہ طوطے کی طرح ٹیں ٹیں کیا کرتی ہیں تو اور بھی
شرمندہ ہو گئیں۔

میاں نعیم اسی طرح اپنے تمام ساتھیوں
کو شرمندہ کرکے خوش ہو رہے تھے کہ جمیل نے

ایک نیا کھیل نکالا۔ سب لڑکوں اور لڑکیوں
کی آنکھوں پر پٹیاں باندھ دی گئیں۔ صرف جمیل
اور جمیلہ چھوڑ دیے گئے۔ اب ہر لڑکے کے ہاتھ میں
ایک ایک چمچہ اور ایک ایک پیالی دے دی گئی
پیالیوں میں شکر ڈال دی گئی اور یہ حکم ہوا کہ ہر لڑکا
ایک لڑکی کو پیالی سے شکر کھلائے۔ مگر ساتھ ہی یہ
بھی بتا دیا گیا کہ کون لڑکا کس کو کھلائے۔ مثلاً نعیم
نعیمہ کو اور نسیم نسیمہ کو، وغیرہ۔ اب میاں جمیل
اور جمیلہ نے تمام لڑکوں اور لڑکیوں کو آپس میں گڈمڈ
کر دیا۔ کہ اور بچوں کو یہ پتہ چلانا مشکل ہو گیا کہ کون
کسے شکر کھلائے گا۔ بڑے مزے کا کھیل تھا۔

ہر ایک اپنی اپنی حماقت پر بے اختیار ہنس رہا تھا
اتنے میں ایکا ایکی میاں نسیم کی امی کمرے میں داخل

ہوئیں۔ وہ بھی دیکھ کر مسکرانے لگیں۔ اور پوچھا کیا ہو رہا ہے "۔

جمیل۔ خرگوشوں کو غذا دی جا رہی ہے"۔ اس پر سب بچے کھل کھلا کر ہنس پڑے۔

میاں مجتبیٰ نسیم کی ماں سے بولے اب آپ کوئی کھیل کھلائیں۔

نسیم کی ماں:۔ ہاں ہاں میں شیروں کو غذا کھلانے کا کھیل کھلاؤں گی۔ اچھا ادھر دوسرے کمرے میں آؤ۔

سب بچے دوڑ پڑے۔ دوسرے کمرے میں جا کر دیکھا تو دسترخوان بچھا ہوا تھا۔ اور اس پر ہر قسم کا کھانا، بریانی، قورمہ، کباب، زردہ فیرنی اور رنگ برنگ کے پھل بڑے سلیقے سے چنے ہوئے تھے۔ نسیم کی ماں نے کہا۔ لو بھئی شیرو! تم ذرا اس دسترخوان پر بیٹھ جاؤ۔ اب یہ کھیل کس طرح شروع اور کیسے ختم ہوگا۔ یہ تم جانو!

تم بھی یہ کھیل کھیلنے کی کوشش کرو۔ بہت دلچسپ ہیں۔ کچھ ایسے مشکل بھی نہیں۔ نسیم کی ماں نے جو کھیل کھلایا وہ تو بہت ہی آسان ہے۔ مگر اس کے لئے ایک بات کی بڑی ضرورت ہے۔ کس بات کی؟ اب یہ تم خود ہی سوچو۔ مگر اتنا ہم تمھیں بتا دیں کہ تمھارے پاس ماشاء اللہ اس چیز کی کمی نہیں۔

دلچسپ شعبدہ

(چھوٹے بچوں کے لئے)

ہم تمھیں ایک شعبدہ بتلاتے ہیں ذرا اپنے دوستوں کے سامنے کرو تو۔ دیکھو کیسا لطف رہتا ہے شعبدہ یہ ہے:۔

ایک پیالے میں پانی لاؤ اور تھوڑا سا نمک اپنے ہاتھ میں لو اب اپنے دوست سے کہو کہ دیکھو! میرے ہاتھ میں نمک ہے اسی پیالے میں ڈال دوں گا اور ذرا بھی نہیں بھیگے گا۔ تمھارے دوست بڑے حیران ہوں گے اور کہیں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ذرا ہمیں دکھاؤ تو۔

اب تم نمک خوب اچھی طرح مٹھی میں بند کر لو۔ اور پانی پیالے میں ڈال کر باہر نکال لو۔ نمک ذرا بھی نہ بھیگے گا۔ کیوں! کیسا آسان ہے؟

ٹکٹ جمع کرنا

(از جناب شمیم احمد صاحب جامی)

ایڈیٹر صاحب سے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ تمھیں میرے مضمون سے بہت دلچسپی پیدا ہوگئی اور تم نے اس کے بارے میں بہت سے خط لکھے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ تم میں سے بہت سے بچوں نے ٹکٹ اکٹھا کرنے شروع کر دے ہوں گے بہت سے بچے تو پہلے ہی جمع کرتے ہوں گے۔ نئے جمع کرنے والوں نے بھی اب تک کچھ نہ کچھ جمع کر لئے ہوں گے۔

اس وقت ہم تمھیں ٹکٹ جمع کرنے کی دو ایک آسان سی صورتیں بتاتے ہیں۔ پرانے ٹکٹ تمھیں پرانے خطوں اور لفافوں وغیرہ پر ملیں گے اپنے یہاں کے پرانے صندوق میں دیکھو۔ شاید کہیں پڑے ہوئے مل جائیں یا اپنے بزرگوں یا بڑی بوڑھیوں سے پرانے خط مانگو۔ کیا تعجب جو ان میں تمھیں کچھ قیمتی ٹکٹ ہاتھ لگ جائیں۔ اگر اپنے یہاں نہ ملیں تو اپنے دوستوں اور ہمجولیوں کے یہاں ڈھونڈو نئے (مہر لگے ہوئے) ٹکٹ دکان داروں کے پاس ملیں گے اُن کے یہاں پارسلوں وغیرہ پر۔ بڑی بڑی قیمتوں کے ٹکٹ آتے ہیں۔ یہ اُن کے لئے بیکار ہیں۔ مگر تمھارے فائدے اور کام کی چیز ہیں۔ اپنے بڑے بھائی صاحب یا والد صاحب سے درخواست کرو کہ وہ یہ ٹکٹ تمھیں لا دیا کریں نہیں تو تم خود ان سے دوستی پیدا کر لو۔ اور اُن سے کہو کہ وہ جمع کر کے تمھیں دے دیا کریں

اس کا خیال رہے کہ جو ٹکٹ بھی تمھیں ملیں سب جمع کر لو۔ جو ٹکٹ تمھارے مرقع (ٹکٹ جمع کرنے کی کاپی) میں نہ ہوں انھیں اس پر چپکا لو لیکن جو زیادہ ہوں انھیں بھی احتیاط سے رکھو۔ اس کا فائدہ ہم تمھیں آگے چل کر بتائیں گے

ہم نے پچھلے مضمون میں بتایا تھا کہ نئے

جمع کرنے والے پہلے ہندوستان کے ٹکٹ جمع کریں اسے پڑھ کر تم میں سے بہت سے بچے ہنسے تو ضرور ہوں گے کہ واہ صاحب کیا بات بتائی ہے۔ ہندوستان کے ٹکٹ تو ہر جگہ ملتے ہیں انھیں کیا جمع کریں۔ مگر بھائی! معاف کرنا، یہ بڑا غلط خیال ہے۔ ہندوستان کے ٹکٹ ایک دو نہیں سینکڑوں قسم کے ہیں۔ ذرا غور سے سُنو۔

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ٹکٹ کا رواج کب سے ہوا۔ اور ہندوستان میں یہ کب سے چلتے ہیں ۱۸۴۰ء میں انگلستان کے ایک شخص رولینڈ ہل نے سب سے پہلے ایک آنے کا ٹکٹ ایجاد کیا تھا۔ یہ ایجاد اس قدر مقبول ہوئی کہ تمام دنیا میں ٹکٹ کا رواج بجلی کی طرح پھیل گیا، اس کے بارہ برس بعد یعنی ۱۸۵۲ء میں ہندوستان میں بھی سب سے پہلے آدھ آنہ (۰ /) والا ٹکٹ چلا تھا، لیکن یہ ایک ہی ضلع کے لئے خاص تھا۔ پھر دو برس بعد یعنی ۱۸۵۴ء میں ہندوستان کے تمام سرکاری علاقے میں (ریاستوں کو چھوڑ کر) ٹکٹ جاری ہو گئے۔ گویا ہندوستان میں ٹکٹوں کے رواج کو تراسی برس گذر چلے ہیں۔ اب دیکھو اتنے زمانے میں کتنے بادشاہ بدل گئے ۱۸۵۸ء تک تو کمپنی بہادر کے ٹکٹ رائج تھے۔ اس کے بعد ۱۸۵۸ء سے ۱۹۰۱ء تک ملکہ وکٹوریہ کے ٹکٹ چلتے رہے۔ ملکہ وکٹوریہ کے ٹکٹوں میں اس کے بڑھاپے کی تصویر بھی ہے اور اس کی جوانی کی بھی۔ وکٹوریہ کے بعد اس کا بیٹا ایڈورڈ ہفتم تخت پر بیٹھا تو اس کی تصویر ٹکٹ پر چھاپی گئی۔ جب ۱۹۱۰ء میں ایڈورڈ کا انتقال ہو گیا تو اس کے بیٹے شہنشاہ جارج پنجم بادشاہ بنائے گئے۔ اب ان کی تصویر ٹکٹ پر آ گئی۔ اس طرح چار قسم کے ٹکٹ تو صرف تصویر کے اختلاف کی وجہ سے ہو گئے

اچھا اب ٹکٹ کی قیمت کو لو۔ کچھ جانتے ہو کہ ڈاک خانے میں کئی روپے تک کے ٹکٹ ملتے ہیں۔ اگر نہیں معلوم ہے تو اپنے یہاں کے ڈاک بابو سے پوچھو۔ وہ تمھیں بتائے گا کہ پچیس روپیے تک کے ٹکٹ ہوتے ہیں۔ دیکھو آج کل اتنی قیمتوں کے ٹکٹ ملتے ہیں۔ ایک پیسہ (۔ /) دو پیسے (۰ /)

تین پیسے (۳ر) ، ایک آنہ (۱ر) پانچ پیسے (۱ر۱) چھ پیسے (۱ر۲) ۲ر ، ۲ر۸ ، ۳ر ، ۴ر ، ۸ر ، ۱۲ر ایک روپیہ ، دو روپیے ، پانچ روپیے ، دس روپیے ، پچیس روپیے ،

ہر بادشاہ کے زمانے میں ایسے ہی مختلف قیمتوں کے ٹکٹ رائج تھے ۔ بعض ٹکٹ ایسے بھی ہیں جن کا رواج پہلے نہیں تھا اب ہوا ہے مثلاً تین پیسے اور پانچ پیسے والے ٹکٹوں کا ۔

اس کے بعد رنگ کا اختلاف لو ۔ ایک ہی قیمت کے ٹکٹ ایک ہی بادشاہ کے زمانے میں ، مختلف رنگوں میں چھپے ہیں ۔ مثلاً ملکہ وکٹوریہ کے زمانے کا ایک پیسہ والا ٹکٹ دو رنگوں میں چھپا ہے اسی طرح آج کل کے تین آنے ، ڈھائی آنے دو آنے ، چھ پیسے اور ایک آنے والے ٹکٹ مختلف رنگوں میں چھپے ہیں ۔ پھر ایک ہی رنگ کبھی گہرا ہوتا ہے اور کبھی ہلکا ۔ مثلاً ایک آنے والے ٹکٹ کا رنگ گہرا سرخ بھی ہے ۔ ہلکا سرخ بھی ، اور درمیانی سرخ بھی ۔

اب ٹکٹ پر جو لکھا رہتا ہے اس کا اختلاف دیکھو ۔ ٹکٹ پر دو چیزیں لکھی ہوتی ہیں ۔ ایک تو ٹکٹ کی قیمت دوسرے انڈیا پوسٹیج اینڈ ریونیو India postage and revenue یا صرف انڈیا پوسٹیج Indiapostage ایک ہی قیمت کے ٹکٹوں پر دونوں عبارتیں ملیں گی کسی پر پہلی عبارت ہوگی کسی پر دوسری ۔ مثلاً ایک آنے کے ٹکٹ پر شروع میں پہلی عبارت لکھی ہوئی تھی ۔ اور اب صرف دوسری ہوتی ہے ۔ یعنی (انڈیا پوسٹیج) یہی چار آنے ، دو آنے اور دو پیسے کے ٹکٹوں کا حال ہے

اچھا اب ہم ایک اور بڑا فرق بتائیں ۔ تم نے وہ ٹکٹ بھی دیکھے ہیں جو سرکاری لفافوں پر ہوتے ہیں ۔ عام ٹکٹوں میں اور ان میں بہت فرق ہوتا ہے ۔ ان پر انگریزی میں یا تو سروس (Service) لکھا ہوتا ہے یا یہ لکھا ہوتا ہے آن ، ایچ ، ام ، اس ۔ On. H. M. S. دوسری عبارت مختلف ہے ۔ اس کے معنی ہیں "سرکار کے کام پر"

جب ڈاک خانے میں کسی قیمت کے ٹکٹ

زیادہ ہوجاتے ہیں تو اس کی قیمت بدل دیتے ہیں۔ تم تلاش کروگے تو تمھیں دو پیسے والا ٹکٹ مل جائے گا جس پر انگریزی میں ½ لکھا ہوگا یا ایک آنے کے ٹکٹ پر نائن پائیز (Nine pice)

بعض ٹکٹوں پر تمھیں یہ حروف موٹے موٹے لکھے ہوئے ملیں گے۔ آئی، ای، ایف (J. E. F) یا سی، ای، ایف (C. E. F)

اس کے علاوہ ہندوستانی ٹکٹوں میں تمھیں ایک اور فرق نظر آئے گا جس طرح روپئے کے نوٹ میں واٹرمارک یا آبی نشان ہوتا ہے اسی طرح بعض ٹکٹوں میں بھی ہوتا ہے۔ اگر تم روشنی میں ٹکٹ کو اس طرح پکڑو کہ ٹکٹ کے پیچھے کا حصہ تمھاری طرف ہو اور پھر غور سے دیکھو تو تمھیں ستارہ سا بنا ہوا نظر آئے گا۔ ٹکٹ کو پانی میں بھگونے سے بھی یہ نشان نظر آجاتا ہے۔ لیکن یہ سب ٹکٹوں میں نہیں ہوتا۔

ٹکٹوں کی ایک قسم یادگاری ٹکٹ ہوتی ہے جب ملک میں کوئی خاص بات ہوتی ہے تو ایسے ٹکٹ نکلتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی ۱۹۳۱ء میں جب سرکاری دفتر پرانی دلی سے نئی دلی چلے گئے تو ایک دربار ہوا تھا۔ اس موقع پر نئے ٹکٹ نکلے تھے۔ یہ معمولی ٹکٹوں سے دوگنا بڑے تھے، ان میں نئی دلی کی کوئی عمارت بنی ہوئی ہے اور ساتھ ہی بادشاہ کی تصویر بھی ہے۔ یہ ٹکٹ تمھیں جہاں ملیں اور جتنے ملیں سب رکھ لو۔ نہ ملیں تو تلاش کرو۔ یہ تمھارے بہت کام آئیں گے۔

ابھی ہوائی ٹکٹوں کا ذکر تو باقی رہ گیا ہے تمھیں معلوم ہے کہ اب ڈاک ہوائی جہاز کے ذریعے بھی جاتی ہے۔ اس میں زیادہ پیسے خرچ ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس کا محصول بھی زیادہ ہوتا ہے۔ ہوائی جہاز سے جو ڈاک جاتی ہے اس میں معمولی ٹکٹ بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ لیکن ان کے لئے خاص ٹکٹ بھی تیار کئے گئے ہیں۔

مضمون بہت لمبا ہوگیا ہے اور ابھی تک ہندوستان کے ٹکٹوں کی قسمیں ختم نہیں ہوئی ہیں۔ اچھا اب تم اتنی قسم کے ٹکٹ تو جمع کرو۔ پھر دوسری قسمیں بتائیں گے۔

بندر والا

(از جناب مولوی شفیع الدین صاحب نیر جامعی۔ ماڈرن ہائی اسکول دہلی)

ڈگ ڈگ کرتا آیا
بندر والا بندر لایا

ہاتھوں میں اک موٹا سا ڈنڈا
ڈنڈے میں ایک لال سا جھنڈا

کندھے پر میلا سا جھولا
ساتھ میں بندر بھولا بھالا

بندر کے ساتھ اک بندریا
پہنے ہوئے اک لال گھگریا

کوچوں بازاروں سے گذرتا
چوک میں آیا ڈگ ڈگ کرتا

دیکھا یہاں لوگوں کا جمگھٹ
اس نے کھیل جمایا جھٹ پٹ

جب لوگوں نے گھیرا باندھا
چھلنے لگا کاندھے سے کاندھا

لے کر ڈنڈا رکھ کر جھولا
بندر والا ہنس کر بولا

ناچو بیٹا! ناچو بیٹا!
بندر نے بھی جسم سمیٹا

اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر
گردن اور کولھے مٹکا کر

جھجکا اور نہ کچھ شرمایا | تھرک تھرک کر ناچ دکھایا

دیکھو تو سسرال میں جانا | اور بیوی کو ساتھ میں لانا
بیوی پہلے تو شرمائی | پھر وہ چھم چھم کرتی آئی
لڑکوں نے بندر کو ستایا | بندر کو بھی غصہ آیا
جھپٹا ان پر ڈنڈا لے کر | اُن کو ڈرایا بھبکی دے کر
کرکے تماشے ایسے ایسے | سب لوگوں سے پیسے مانگے
صبح کا وقت تھا ٹھنڈا ٹھنڈا | چلتا بنا لے جھولا ڈنڈا

دہلی کے بادشاہ

(از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

پچھلے مضمون میں ہم نے جامع مسجد کا حال لکھنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن بعد میں خیال آیا کہ پہلے دہلی کے بادشاہوں کا سلسلہ وار حال بتا دینا چاہیئے تاکہ جب ہم عمارتوں اور عمارتوں کے بنانے والے بادشاہوں کا ذکر کریں تو یہ سمجھنے میں دقت نہ ہو کہ یہ بادشاہ کب گذرے تھے۔ ان کے پہلے کون کون بادشاہ ہوئے اور ان کے بعد کون کون ہوئے۔ اسی خیال سے اس مرتبہ ہم دہلی کے بادشاہوں کا حال لکھتے ہیں۔ عمارتوں کا حال اگلے پرچے سے شروع کریں گے۔

یہ تو ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ ہندوستان کے زیادہ تر بادشاہ دہلی میں رہتے تھے، اب سے کوئی ساڑھے سات سو برس پہلے افغانستان کے ایک بادشاہ محمد غوری نے دہلی پر حملہ کیا اور یہاں کے راجہ پرتھوی راج سے اسے جیت کر اپنے ایک ترکی غلام قطب الدین ایبک کو یہاں کا بادشاہ مقرر کیا۔ اسی بادشاہ نے قطب مینار کی بنیاد ڈالی۔ قطب الدین سے لے کر ۸۰ برس تک جو بادشاہ گذرے وہ غلام غلام خاندان کے بادشاہ کہلاتے ہیں، ان میں سلطان التمش اور رضیہ سلطانہ زیادہ مشہور ہیں سلطان التمش نے قطب مینار کو پورا کیا تھا۔

غلام خاندان کے بعد خلجی خاندان کی حکومت ہوئی۔ اس خاندان نے کوئی تیس برس حکومت کی ہوگی اس کا سب سے مشہور بادشاہ علاء الدین خلجی گذرا ہے۔

خلجیوں کے بعد تغلق خاندان شروع ہوا۔ انھوں نے بھی ۸۰ برس تک حکومت کی اس خاندان کے مشہور بادشاہ محمد شاہ تغلق اور فیروز شاہ تغلق تھے۔ فیروز شاہ نے ایک قلعہ بنوایا تھا

بہ فیروز شاہ کے کوٹلے کے نام سے مشہور ہے

تغلق خاندان کے بعد سیدوں کی حکومت ہوئی۔ انھوں نے کوئی ۳۰ برس بادشاہت کی، اُن میں کوئی مشہور بادشاہ نہیں ہوا۔

سیدوں کے بعد لودھیوں کی حکومت شروع ہوئی۔ لودھی خاندان نے ۷۵ برس تک سلطنت کی۔ اُن کا آخری بادشاہ ابراہیم لودھی تھا۔ اور اسی سے مغل بادشاہ بابر نے دہلی فتح کی۔

اسی طرح پٹھانوں کے پانچ خاندانوں نے کوئی سوا تین سو برس یہاں حکومت کی۔ اس کے بعد مغلوں کی بادشاہت شروع ہوگئی

بابر نے صرف چار پانچ سال حکومت کی ان کے بعد ان کے بیٹے ہمایوں تخت پر بیٹھے ہمایوں کا مقبرہ دہلی کی مشہور عمارتوں میں ہے۔ ہمایوں نے ابھی کوئی دس برس ہی حکومت کی تھی کہ ایک پٹھان بادشاہ شیر شاہ سوری نے ان سے تخت چھین لیا۔ لیکن شیر شاہ اور اس کا خاندان پندرہ برس سے زیادہ حکومت نہ کر سکے اور ہمایوں بادشاہ نے اپنی سلطنت پھر واپس لے لی۔ مگر ایک سال بعد ہی ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اور ان کے بیٹے اکبر بادشاہ تخت پر بیٹھے۔ اکبر کی عمارتیں زیادہ تر آگرے میں ہیں۔ فتح پور سیکری کی عمارتیں اور آگرے کا قلعہ انھیں کا بنوایا ہوا ہے۔

اکبر نے کوئی پچاس برس حکومت کی ان کے بعد ان کے بیٹے جہانگیر بادشاہ ہوئے نور جہاں ان ہی کی مشہور ملکہ تھیں۔ انھوں نے کوئی ۲۲ برس حکومت کی۔ اس کے بعد ان کے بیٹے شاہ جہاں تخت پر بیٹھے۔ عمارتوں کے معاملے میں یہ سب سے مشہور گذرے ہیں۔ آگرہ کا تاج محل اور دہلی کی جامع مسجد اور لال قلعہ ان ہی کا بنوایا ہوا ہے۔

شاہ جہاں ۳۲ برس تک بادشاہ رہے اس کے بعد اورنگ زیب عالمگیر کی حکومت ہوئی۔ انھوں نے بھی پچاس سال کے قریب بادشاہت کی۔ ان کے بعد کوئی ڈیڑھ سو برس

تک ان کے خاندان میں حکومت رہی اور غدر کے بعد سے دہلی انگریزوں کے قبضے میں آگئی گویا مغلوں نے بھی کوئی سوا تین سو برس حکومت کی۔

اورنگزیب کے بعد کے مغل بادشاہوں کے نام اور ان کی بادشاہت کی مدت ہم نیچے لکھے دیتے ہیں۔

بہادر شاہ	۶ برس
فرخ سیر	۷ ”
محمد شاہ	۲۹ ”
احمد شاہ	۷ برس
عالم گیر ثانی	۶ ”
شاہ عالم	۴۷ ”
اکبر شاہ ثانی	۳۳ ”
بہادر شاہ ظفر	۲۰ ”

امید ہے کہ اب عمارتوں کا حال بیان کرتے ہوئے جب ہم ان کے بنانے والے بادشاہوں کا ذکر کریں گے تو تمھیں یہ سمجھنے میں مشکل نہ ہوگی کہ یہ بادشاہ کون تھے اور کس زمانے میں تھے۔

دلچسپ شعبدہ

(چھوٹے بچوں کے لئے)

یہاں ہم ایک اور شعبدہ بتاتے ہیں۔ یہ اس سے بھی دلچسپ ہے، ایک دیاسلائی دکھا کر اپنے دوست سے کہو کہ میں اس دیاسلائی کو زمین پر ایسی جگہ رکھ سکتا ہوں کہ تم اس دیاسلائی پر سے کود نہیں سکتے، تمھارا دوست اس بات پر ہنس دے گا۔ اور کہے گا کہ یہ ممکن ہی نہیں اچھا رکھ کر دکھاؤ دیکھیں تم کہاں رکھتے ہو۔

اب تم دیاسلائی کو کمرے کے کونے میں زمین پر رکھ دو اور اگر تم سڑک پر ہو تو بالکل دیوار سے لگا کر زمین پر رکھ دو۔ اب بتاؤ کون اس پر سے کود سکے گا۔

خوشحال اور اس کے بیٹے

پروفیسر عطاء اللہ صاحب ایم اے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

پرانے زمانے میں چین کے ایک گاؤں میں خوشحال نام ایک بڈھا رہا کرتا تھا۔ مہربانو اس کی بیوی اور حمید و سعید اس کے دو بیٹے، یہی اس کا ننھا منا خاندان تھا۔ خوشحال روز جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاتا اور ان کو بازار میں بیچ کر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا۔ خوشحال کے پڑوس میں بڑے بڑے امیر رہتے تھے مہربانو تو ان کے محل اور ان کے لباس دیکھ دیکھ کڑھا کرتی تھی۔ مگر بڈھا تھا نیک آدمی روکھا سوکھا جو کچھ میسر آتا کھاپی کر خدا کا شکر بجا لاتا۔ اور اپنی کٹیا میں تھک ہار کر پڑ رہتا۔ ہاں اس کی بیوی اپنی غریبی اور پڑوسیوں کی دولتمندی کو دیکھ دیکھ کر آئے دن خدا کو اس ناانصافی پر کوسا کرتی۔ اور جب اپنی بے بسی کو محسوس کرتی تو رو رو کر دعا مانگتی کہ خدا اسے پڑوسیوں کی طرح رہنے کو اچھے سے اچھا مکان، کھانے کو عمدہ سے عمدہ چیزیں اور آنے جانے کو اچھی سے اچھی سواری دے۔

ایک روز خوشحال لکڑیوں کا گٹھا باندھ کر پیٹھ پر اٹھانے کو تھا کہ اسے کچھ ایسا معلوم ہوا کہ گٹھا کئی سو من کا ہوا جا رہا ہے اور اس کے اٹھائے نہ اٹھے گا۔ دو تین مرتبہ اس نے ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگایا مگر ہلنا تھا نہ ہلا۔ بڈھے نے رسی چھوڑ کر گٹھے پر نگاہ جو ڈالی تو اس پر ایک انڈا رکھا ہوا پایا۔ بڈھے نے انڈا اٹھا، جیب میں ڈالا اور گٹھے کو پھر سے اٹھانا چاہا۔ اب تو گویا اس میں کوئی بوجھ تھا ہی نہیں۔ خوشحال نے شہر میں آکر لکڑیاں بیچ ڈالیں اور خوشی خوشی انڈا لئے گھر پہونچا۔ انڈا جیب

سے نکال بیوی کے سامنے رکھا۔ اور کہا نیک بخت آج ایک انڈا ملا ہے، اسے بیچ آنا۔ مہر بانو بہت خوش ہوئی اور جھٹ سے ایک دوکان دار کے ہاں پہنچی۔

دوکاندار نے انڈے کو دیکھا بھالا اور جواب دیا اس کی قیمت سو روپیہ لوگی مہر بانو حیران ہوئی اور کہا "سو روپیہ"

دکان دار سمجھا قیمت کم بتا رہا ہوں، معلوم ہوتا ہے بڑھیا اس کی قیمت سے واقف ہے۔ کہا اچھا "دو سو سہی" مہر بانو کو تو انڈے کی حقیقت معلوم ہی نہ تھی۔ دل میں سوچنے لگی کہیں دکاندار مجھے بے وقوف تو نہیں بنا رہا۔ سنبھل کر بولی "اچھا تمھاری ہی بات سہی، دو سو ہی دے دو

دکان دار نے فوراً دو سو روپیہ گن کر اس کے حوالے کئے۔ مہر بانو روپیہ سنبھال گھر پہنچی۔ اور جھٹ خوشحال کے سامنے دو سو روپیہ کا ڈھیر لگا دیا۔ روپیہ کی چمک اور جھنکار نے خوشحال کو بھی خوش کر دیا۔

نیک آدمی تھا، بولا شاید بھلے دن آرہے ہیں، خدا جب دیتا ہے تو چھپر پھاڑ کر دیتا ہے،

اب ہر روز بلاناغہ یہی معاملہ پیش آنے لگا۔ ہر روز لکڑیوں کے گٹھے پر سے خوشحال کو ایک انڈا مل جاتا۔ اور مہر بانو دکاندار کے ہاتھ اسے دو سو روپے میں بیچ آتی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دیکھتے دیکھتے خوشحال اور اس کا چھوٹا سا خاندان مالا مال ہو گیا۔

دکان دار تھا بڑا چالاک اس نے سن رکھا تھا کہ چین کے جنگلوں میں ایک پرندہ رہتا ہے، اگر اس کی کلغی کسی کے ہاتھ لگ جائے تو اس کے سر پر تاج رکھا جاتا ہے یعنی وہ بادشاہ ہو جاتا ہے اور جس شخص کے پاس اس کا دل ہو، اسے ہر صبح اپنے تکئے کے نیچے سے دو سو روپے مل جاتے ہیں دوکان دار نے دل میں سوچا کہ آؤ ان بڈھوں کو بے وقوف بنائیں اور ان کے ذریعے اس پرندے کی جس کا انڈا مل سکتا ہے کلغی

اور دل حاصل کریں۔ دل میں یہ ٹھانی اور
پہنچا خوشحال کے پاس اور کہنے لگا
"بڑے میاں دو سو روپیہ روز تو کوئی
چیز نہیں، اگر تم وہ پرندہ پکڑ لاؤ جو یہ قیمتی انڈا
دیتا ہے، تو جو مانگو سو پاؤ۔ اتنا دوں کہ لٹائے
ختم نہ ہو، خوشحال تو ابھی کچھ کہنے بھی نہیں
پایا تھا کہ بی مہر بانو دکان دار کی ہاں میں
ہاں ملانے لگیں اور لگیں بڈھے کو پرندہ
پکڑ لانے کے لئے تاکید پر تاکید کرنے۔
دکاندار نے پانسو روپے پیشگی بھی دیئے۔
اب تو بڑے میاں بھی پسیجے۔ دوسرے
دن خوشحال لکڑیوں کا گٹھا باندھ اس کی اوٹ
میں بیٹھ گیا۔ اور جوں ہی پرندہ گٹھے پر انڈا
دینے بیٹھا، بڑے میاں نے جھپٹ کر اس
کی ٹانگیں دبوچ لیں۔ پرندے نے جان
بچانے کے لئے بہت زور مارا۔ مگر بڑے
میاں کے بازوؤں میں تو پانچسو روپے نے
خوب زور بھر دیا تھا۔ زخمی بھی ہوئے مگر
پرندے کو نہ چھوڑا۔ آخر پرندہ بغل میں دبائے

خوشحال نے شہر کا رستہ لیا۔
حمید اور سعید مکتب میں پڑھتے تھے،
ان کو پرندے کے انڈے اور دکان دار
کے سودے اور تاکید کا حال خوب معلوم
تھا، آج مولوی صاحب نے ان کو اس
پرندے کا حال بھی سنایا۔ اور بتایا کہ اس
کی شکل وصورت یہ ہوتی ہے۔ رنگ یہ ہوتا
ہے اور جس کے پاس اس کی کلغی ہو وہ بادشاہ
بن جاتا ہے، جس کے پاس اس کا دل ہو اس
کے ہاں دولت کی ریل پیل رہتی ہے۔ خوشحال
تو پرندہ مہر بانو کے حوالے کر کے لکڑیاں بیچنے
شہر چلا گیا، اور مہر بانو پرندے کو ایک ٹاپے
کے نیچے بند کر کے کچھ سودا خریدنے اور دکاندار
کو اطلاع کرنے چلی گئی۔ بچوں کو جو کھانا کھانے کی
چھٹی ہوئی انھوں نے اس پرندے کو دیکھا
اور گھر پایا خالی، اس کو ذبح کیا اور ایک نے
کلغی اور دوسرے نے دل لے کر باقی گوشت
پکنے کو چولھے پر چڑھا دیا۔ مہر بانو تو راستہ
میں ایک سہیلی کے ہاں بیٹھ گئی، لڑکوں نے کچا

پکا گوشت کھایا اور اسکول کو بھاگے۔ جب وہ شام کے قریب گھر لوٹے تو کٹیا کے اندر سے لڑائی جھگڑے کی آواز آرہی تھی، وہ دروازے پر رک گئے اور سنا کہ دکان وار مارے غصہ کے پاگل ہوا جارہا ہے اور کہتا ہے کہ "اچھا تمھارے بچوں کی خیر نہیں، پانسو پیشگی دیا اور اب کلغی اور دل ندارد،"

بچوں نے جو یہ تقاضا سنا تو نوک دم بھاگے، اور پانچ کوس پر جاکر دم لیا، خوشحال اور مہربانو بچوں کے کھو جانے پر اسقدر روئے کہ اپنے دیدے کھو بیٹھے۔

اب حمید اور سعید کا ماجرا سنئے،

حمید کے پاس پرندے کی کلغی تھی اور سعید کے پاس دل۔ وہ کئی روز تک سفر کرتے رہے آخر ایک دوراہے پر پہنچے وہاں پر انھوں نے ایک پتھر پر لکھا دیکھا۔

"اے دو لڑکو! دونوں ایک سڑک پر مت جاؤ۔ ایسا کرو گے تو تمھاری خیر نہیں۔ ایک داہنی طرف جاؤ اور دوسرا بائیں۔ جو داہنی طرف جائے گا وہ جلد ہی مراد حاصل کرے گا جو بائیں طرف جائے گا وہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب تو ہوگا مگر مشکلوں میں پڑکر اور پریشانیاں سہنے کے بعد۔ اب دونوں سوچ میں پڑے"، آخر انھوں نے اس لکھے ہوئے کو غیبی فیصلہ سمجھ کر اس پر عمل کرنے کی ٹھانی۔ سعید بڑا تھا، اس نے حمید سے کہا بھائی تم چھوٹے ہو، تم وہ راستہ اختیار کرو جس میں جلد ہی مراد حاصل ہوگی اور میں مشکلات سے نبٹ لوں گا دونوں بھائی نہایت حسرت اور محبت سے گلے ملے اور ایک دوسرے کو "خدا حافظ" کہہ کر اپنے اپنے راستہ پر پڑ لئے۔

باقی آئندہ

بدرالدین صاحب چینی (بی اے جامعہ)

(ایڈیٹر)

جناب بدرالدین صاحب چینی، پیام تعلیم کے پرانے مضمون نگار ہیں۔ ابھی سالگرہ نمبر میں ان کا ایک بہت اچھا مضمون "چینی بچے" کے عنوان سے چھپ چکا ہے، اب آپ ہندوستان میں اپنی تعلیم ختم کر کے مصر جا رہے ہیں۔ یہ تو تمھیں معلوم ہی ہے کہ بدرالدین صاحب چین کے رہنے والے ہیں، اب رہی یہ بات کہ چین میں کہاں کے رہنے والے ہیں، تو بھائی چین کوئی چھوٹی سی جگہ تو ہے نہیں، یہ بھی ہمارے ہندوستان کی طرح بہت بڑا ملک ہے، بلکہ ہندوستان سے بھی بڑا۔ اس کے کوئی اٹھارہ صوبے ہیں، انھیں میں ایک کا نام ہونان ہے، ہمارے چینی صاحب اسی صوبے کے ایک شہر یوکنگ کے رہنے والے ہیں، ان کی والدہ زندہ ہیں، دو بھائی بھی ہیں، ایک بڑے ایک چھوٹے۔ چینی صاحب جان سی عزیز ماں اور پیارے بھائیوں کو چھوڑ کر وطن سے دور ہندوستان آئے ہیں، بھلا کوئی ایسی ہی بات ہو گی جس کی خاطر اپنے پیارے وطن، عزیز ماں اور دوستوں کی جدائی گوارا کر کے، ایسے اجنبی اور غیر ملک میں آئے، جہاں نہ کوئی جان نہ پہچان، نہ کوئی زبان سمجھنے والا، نہ دوست نہ آشنا، تم بتا سکتے ہو وہ ایسی کون سی بات تھی؟ اچھا آؤ ہم تمھیں بتائیں یہ تکلیفیں اور یہ مصیبتیں انھوں نے محض اس لئے برداشت کیں کہ علم حاصل کریں اور پڑھ لکھ کر اپنی قوم اور اپنے وطن کے لوگوں کو فائدہ پہنچائیں خدا سے دعا ہے کہ وہ یہ شوق، ہمت اور حوصلہ ہم تم میں بھی پیدا کرے۔ آمین!

چین کا جہاز کلکتہ میں آ کر ٹھہرتا ہے چنانچہ سب سے پہلے بدر الدین صاحب یہیں آئے، یہاں انھیں لوگوں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا پتہ دیا۔ اور بتایا کہ تم وہاں جاکر سب کچھ سیکھ جاؤ گے، اور تمھارا ہندوستان میں آنے کا جو مقصد ہے وہ پورا ہو جائے گا

چینی صاحب تو یہی بات چاہتے تھے، وہ سیدھے جامعہ چلے آئے، یہاں کے طالب علموں اور استادوں نے انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا اور ان کے ساتھ ایسا محبت اور خلوص کا برتاؤ کیا کہ انھیں یہ بالکل محسوس نہ ہونے پایا کہ وہ وطن سے دور کسی غیر جگہ میں ہیں، اور اب وہ بھی بڑی مستعدی اور جوش کے ساتھ پڑھنے لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ تھوڑے ہی دنوں میں انھوں نے بہت ترقی کر لی۔ ان کے استاد بھی ان سے بہت خوش تھے، سچ یہ ہے کہ جامعہ میں باہر کے ملکوں کے اور بھی بہت سے طالب علم آئے اور اب بھی ہیں، مگر جو کامیابی بدر الدین چینی صاحب نے حاصل کی وہ کسی کو حاصل نہیں ہوئی

انھوں نے انگریزی زبان کی طرف خاص توجہ کی اور اردو اور عربی بھی ساتھ ساتھ سیکھتے رہے۔ کوئی چار سال میں انھوں نے جامعہ سے بی اے پاس کر لیا۔ ساتھ ہی عربی اور اردو بھی خوب سیکھ لی۔ یہاں تک کہ اردو میں تو تمھارے پیام تعلیم میں ایسے اچھے مضمون بھی لکھنے لگے۔ پیام تعلیم کے علاوہ وہ اردو کے اور بڑے بڑے پرچوں میں ان کے مضمون نکلنے لگے۔ اور اب تو انھوں نے اپنے وطن یعنی چین کے مسلمانوں کے حالات میں ایک بڑی سی کتاب بھی اردو میں لکھی ہے، جو ابھی کچھ دنوں بعد دار المصنفین اعظم گڑھ سے نکلے گی، جہاں سے اور بھی اسی طرح کی اچھی اچھی کتابیں نکلتی رہتی ہیں۔

اردو تو اردو، عربی زبان بھی انھوں نے اسی محنت سے سیکھی ہے۔ اس میں بھی وہ

مضمون لکھ لیتے ہیں، اور یہ مضمون عربی کے
رسالوں میں شائع ہوتے ہیں۔ جب وہ
شروع شروع میں آئے تھے تو انھیں سوائے
چینی زبان کے کچھ نہیں آتا تھا اب وہ یہ
تینوں زبانیں اچھی طرح لکھ سکتے ہیں اور
ان میں بے تکلف بات چیت بھی کر سکتے
ہیں، بعض لوگوں کو بڑا تعجب ہوتا ہے کہ
اتنی تھوڑی سی مدت میں یہ سب زبانیں
انھوں نے کیسے سیکھ لیں، مگر بھائی یہ
تعجب کی کون سی بات ہے، جس کے
دل میں شوق لگن ہمت اور ارادہ ہوتا ہے
وہ اس سے بھی بڑے بڑے کام کر دکھاتا
ہے،

چینی صاحب کو اس بات پر بہت
فخر ہے کہ انھوں نے جامعہ جیسی جگہ میں رہ کر
تعلیم حاصل کی، ان کا خیال ہے کہ جامعہ ہی
میں رہ کر انھیں یہ سہولتیں حاصل ہوئیں کہ
وہ آسانی کے ساتھ بہت سی زبانیں سیکھ سکے،
چین میں بدر الدین صاحب کی طرح
اور بھی بہت سے مسلمان رہتے ہیں چینی مسلمانوں
کی تعداد ہندوستانی مسلمانوں سے کم نہیں
بہرحال زبان نہ سمجھنے کی وجہ سے چین کے
مسلمان ہندوستانی مسلمانوں اور ہندوستانی
مسلمان چینی مسلمانوں کے حالات سی بالکل
بے خبر تھے۔ بدر الدین چینی صاحب کا
ہندوستان میں آنے کا ایک یہ بھی مقصد
تھا کہ اس "بے خبری" کو ختم کیا جائے اور
ایسی صورتیں نکالی جائیں کہ دونوں ملکوں
کے مسلمانوں کو ایک دوسرے کے حال کی
خبر ہو۔ اور ان میں تعلق اور دوستی پیدا
ہو جائے۔ خدا کا شکر ہے کہ اس مقصد
میں بھی انھیں پوری کامیابی ہوئی۔ اس لئے
کہ جس طرح چین کے مسلمانوں پر انھوں نے
اردو میں کتابیں لکھی ہیں، اسی طرح چینی
زبان میں ہندوستان کے اور یہاں کے
مسلمانوں کے حالات لکھے ہیں اور اردو کی
بہت سی دینیات کی کتابوں کا ترجمہ
بھی کیا ہے۔

ویسے تو ہماری اردو زبان بہت سے ملکوں، ایران، عراق وغیرہ میں سمجھی اور کہیں کہیں بولی بھی جاتی ہے، مگر چین کا جہاں تک تعلق ہے ہمارے چینی صاحب پہلے شخص ہیں جنھوں یہ زبان اتنی محنت شوق سے سیکھی اور اس میں اس قدر کمال پیدا کیا اور اس پر انھیں فخر ہے

جامعہ میں پڑھائی ختم کرنے کے بعد بدرالدین صاحب ماسٹر ہو کر ندوہ چلے گئے تھے وہاں وہ انگریزی پڑھاتے تھے۔ مگر وہاں کے عربی کے استادوں سے عربی بھی سیکھتے رہے، اسی زمانے میں انھیں مصر جانے کا خیال پیدا ہوا اور اب وہ ندوہ کی ماسٹری چھوڑ کر اسی ارادہ سے بمبئی روانہ ہو گئے ہیں، اور چند دن وہاں رہ کر مصر کے جہاز پر بیٹھ جائیں گے۔

بمبئی جانے سے پہلے دو چار دن کے لئے وہ دہلی بھی آئے تھے مجھ سے انھوں نے کہا کہ پیام تعلیم کے ذریعہ میں پیام بھائیوں کو ان کا سلام پہنچا دوں انھوں نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ مصر سے وہ پیام تعلیم کے لئے مضمون برابر بھیجتے رہیں گے اور اپنے سفر کا حال بھی لکھیں گے جو بہت دلچسپ ہوگا

سچائی کی چھڑی

(از آغا محمد جمیل خان صاحب پوپلزئی دراتی لدھیانہ)

ہری ایک غریب ہندو تھا شکل صورت اچھی، سولہ، سترہ سال کی عمر، مگر تھا غریب، ذات بھی کم درجے کی، اور تم جانو یہ دونوں چیزیں جب کسی میں ہوں تو ہر ایک اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ ہری بے چارے کو بھی کوئی منہ نہ لگاتا تھا۔ وہ اکثر دکھی ہو کر کہا کرتا۔ انسان سب خدا کے بنائے ہیں۔ پھر یہ اونچی ذات کے لوگ مجھ سے کیوں نفرت کرتے ہیں۔

ایک دن وہ زندگی سے بیزار ہو کر شام کے وقت شوجی کے مندر کی طرف گیا۔ اس کے چہرے سے مایوسی ظاہر ہو رہی تھی اور بھوک پیاس سے بے دم ہو رہا تھا۔ وہ مندر کے پاس ہی ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر میں اسے نیند آگئی۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ مندر کا دروازہ کھلا ہے اور شوجی مہاراج اُس کے سرہانے کھڑے ہنس رہے ہیں۔ ان کی ایک آنکھ ہے اور اس میں ایک ہیرا سورج کی طرح چمک رہا ہے۔ ہری غریب کانپنے لگا۔ اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ شوجی نے نہایت نرمی سے فرمایا کہ "ہری مانگ کیا مانگتا ہے"۔ ہری نے ڈرتے ڈرتے کہا "مہاراج مجھے محبت درکار ہے"۔ مجھے کوئی ساتھی دو۔ ایسا ساتھی کہ ہم ایک دوسرے کے دلی دوست اور خیر خواہ ہوں۔ شوجی نے ہنس کر کہا "ہری تو بڑا سمجھ دار ہے۔ ہم تجھ سے بہت خوش ہوئے ہیں۔ لوگ ہم سے دولت، عزت طاقت، شان و شوکت، دانائی اور حکمت مانگتے ہیں۔ تو نے وہ چیز مانگی ہے۔ جو ان سب سے اچھی ہے۔ ہم نے تیری درخواست منظور کی، اُٹھ اور جنگل کے راستے سے شہر میں جہاں راجہ کا محل ہے جا۔ جنگل میں تجھے سچائی کی چھڑی ملے گی

جس کے بدن سے لگائے گا۔ وہ سچی بات بتلائے گا۔ اور تیری مراد پوری ہوگی۔ یہ کہہ کر شو جی غائب ہوگئے۔ اور ہری کی آنکھ کھل گئی۔ اس وقت مندر کا پجاری وہاں کھڑا تھا اور غصے میں لال پیلا ہو کر کہہ رہا تھا کہ مندر پاک جگہ ہے۔ یہاں صرف اونچی ذات کے لوگ آسکتے ہیں۔ یہاں سے دور ہوجا یہ کوئی سرائے ہے کہ تو پاؤں پھیلا کر سو رہا ہے ہری کا دل ٹوٹ گیا۔ اور وہاں سے چل دیا۔ راستے میں اس نے کہا کہ شو جی بھی عجیب بے پروا ہیں، مانگی تھی محبت اور دی لاٹھی۔ وہ جنگل کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر جھاڑیوں کی طرف دیکھتا تھا، بے چارا ناامید ہو چلا تھا کہ ایک درخت کے نیچے اسے ایک لاٹھی دکھائی دی۔ جو بلور کی طرح چمک رہی تھی۔ یہ سچائی کی چھڑی تھی۔ ہری نے خوش ہو کر اٹھالی۔ وہ چند قدم گیا تھا کہ اسے ایک بدشکل انسان ملا۔ جس کی آنکھیں سرخ اور ڈراونی تھیں۔ ہری نے چھڑی اس کے جسم سے لگائی۔ اور وہ مجبور ہو کر بولا کہ اس درخت کے

نیچے سات مٹکے دفن ہیں۔ جن میں اشرفیاں بھری ہوئی ہیں۔ یہ کہہ کر وہ تو آگے بڑھ گیا ہری اس درخت کے نیچے پہنچا۔ تھوڑی سی مٹی ہٹائی اور ایک مٹکے سے سو اشرفیاں نکال اپنی پگڑی میں باندھیں اور پھر زمین برابر کردی۔ وہاں سے راجہ کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ راجہ کا وزیر ایک مشہور جادوگر تھا اس وقت وہ راجہ کے محل سے اطلس اور کم خواب کے چمکتے ہوئے لباس میں باہر آرہا تھا۔ ہری نے چپکے سے سچائی کی چھڑی اس کے جسم سے لگائی۔ اور اس نے کہا کہ ہاں راجہ کی بیٹی دس سال ہوئے میں نے محل سے چرائی تھی اس وقت وہ سات سال کی تھی میں چاہتا ہوں کہ اس کی شادی میرے لڑکے سے ہو۔ اور راجہ کے بعد میرا لڑکا تخت پر بیٹھے۔ ہری نے اسے پھر چھڑی سے چھو کر کہا کہ اب راج کماری کہاں ہے۔ وزیر نے تمام پتہ بتادیا۔ ہری ایک سوداگر کی دوکان پر گیا اسے سو اشرفیاں دیں اور اس سے ایک چمک دار خوب صورت تلوار خریدی۔ جو پتھر لکڑی

اور لوہے کو کاٹ سکتی تھی۔ سوداگر نے چھڑی کی طاقت سے یہ قیمتی تلوار ہری کے حوالے کر دی۔ تلوار کمر سے باندھ ہری پھر جنگل کی طرف چل پڑا۔ کئی دن کے سفر کے بعد وہ ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ جہاں ایک عجیب بکری۔ چر رہی تھی، بکری کے سینگ نیلم کے اس کی آنکھیں لعل کی۔ دانت ہیروں کے اور پوستیں ریشم کی تھی۔ چھڑی کے چھودینے سے بکری آگے آگے چلنے لگی۔ اور ایک غار کے کنارے کھڑی ہوگئی ہری آنکھیں بند کرکے غار میں کود پڑا۔ اور جب اس نے آنکھیں کھولیں تو وہ ایک باغ میں کھڑا تھا۔ باغ کیا تھا جنت تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ بھینی بھینی خوشبوئیں آرہی تھیں چشمے بہ رہے تھے۔ پرندے میٹھے میٹھے گیت گا رہے تھے اور ایک سولہ سال کی لڑکی جس کا نام اندر تھا ہنسوں کو موتی کھلا رہی تھی۔ ہری کو دیکھ کر پہلے تو وہ بہت ہنسی اور پھر رونے لگی ہری نے کہا کہ تم روئیں کیوں اور ہنسیں کیوں اس نے کہا ہنسی اس لئے کہ مدت کے بعد انسان کی صورت دیکھی ہے اور روئی اس لئے کہ سانپ اور دیو تجھے آکر مار ڈالیں گے، اسی اثنا میں ایک اژدہا غار کی طرف منہ کھولے ایک طرف سے ظاہر ہوا۔ ہری نے چھڑی سے اسے چھودیا اور وہ رسی بن گیا۔ پھر تین دیو جن کے سر ہاتھی کے اور جسم گینڈے کا تھا وہاں آئے اور ہری کی طرف دوڑے۔ اس نے پھر چھڑی ان کی طرف کی اور وہ مٹی کے کھلونے بن گئے آخر کار ہری نے چھڑی گھمانی شروع کی جس سے وہ باغ بھی گھومنے لگا۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ برف کی طرح پگھل رہا ہے یہ دیکھ کر ہری اور راج کماری ڈر گئے انھوں نے آنکھیں بند کرلیں۔ اور تھوڑی دیر کے بعد جب آنکھیں کھولیں تو وہ دونوں راجہ کے محل کے سامنے کھڑے تھے۔ راجہ نے اپنی بیٹی کو پہچان لیا۔ وزیر نے سب قصور مان لئے۔ اور راجہ کے حکم سے جلاوطن کیا گیا۔ غریب ہری راجہ ہری رام بن کر راجہ کا داماد ہوا جب راجہ بہت بوڑھا ہوگیا تو اس نے راج پاٹ اپنے داماد اور بیٹی کے سپرد کیا اور آپ خدا کی یاد میں لگ گیا۔

ایران کا ایک مشہور شہر

شیراز

(از سید احتشام علی نقوی حشمت، بدایونی)

پچھلے پرچے میں ایران کی دو عجیب غریب عمارتوں کا حال بیان کر چکا ہوں اس مرتبہ وہاں کے ایک مشہور شہر "شیراز" کا کچھ تھوڑا سا حال بیان کروں گا۔

فارسی کتابوں میں شیراز کا نام بہت آتا ہے۔ یہ بادشاہی وقتوں کا بہت پرانا مشہور شہر ہے۔ تم نے اپنے بزرگوں کے منہ سے حضرت حافظ شیرازیؒ اور حضرت شیخ سعدیؒ کا نام سنا ہوگا۔ یہ دونوں بزرگ یہیں کے رہنے والے ہیں۔ یہ ایران کے ایک صوبہ فارس کا دارالخلافہ ہے۔ اس شہر کے چاروں طرف پہاڑ ہیں۔ شمال کی طرف جو ایک بڑا پہاڑ ہے وہ کوہِ سعدی کے نام سے مشہور ہے۔ پہاڑ کے نیچے حضرت شیخ سعدیؒ کا مزار ہے۔ یہ ایک بہت ہی خوبصورت باغ کے بیچوں بیچ میں ہے۔ مزار کے بائیں طرف روشن دان نظر آتے ہیں اور اُن کے مقابل میں ایک زینہ دکھائی دیتا ہے جو نیچے کو جاتا ہے۔ اس میں کوئی ایک سو پچاس سیڑھیاں ہوں گی اس زینے سے نیچے اترو تو ایک حوض ملے گا۔ اس کا پانی بہت شفاف ہے۔ یہ پانی پہاڑوں میں سے نکلتا ہے اور زمین کے نیچے سے بہتا ہوا اس حوض میں داخل ہوتا ہے۔ "آب رکنا بادیہی ہے"۔ حوض میں رنگ برنگ کی خوب صورت مچھلیاں تیرتی ہوئی بڑی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔

یہ پانی حوض میں سے نکل کر نہروں کے

ذریعے شہر میں جاتا ہے۔ اور پھر نلوں کے ذریعے
ہر گھر میں پہنچ جاتا ہے۔ شیراز میں ہر گھر میں چھوٹا
سا حوض ضرور ہوتا ہے۔ یہ پانی اس حوض میں آ کر
جمع ہوتا ہے۔

جنوب کی طرف جو پہاڑ ہے اس کے دامن
میں بھی ایک بہت شاندار باغ ہے۔ اس میں
قسم قسم کے خوب صورت پھولوں اور پھلوں کے
درخت ہیں۔ یہ باغ "دل کشا" کے نام سے مشہور ہے
اور ایک ایرانی شہزادی "مہ لقا" کا بنوایا ہوا ہے
اس کے بنوانے میں ۱۵ لاکھ تومان یعنی ۲۵ لاکھ
روپے خرچ ہوئے تھے اس باغ کے ایک کنارے
پر حضرت خواجہ حافظ شیرازی کا مزار ہے۔ اس مزار
پر کچھ عجیب نور برستا ہے اس کے چاروں طرف
بڑے بڑے بادشاہوں اور بزرگوں کے مزار ہیں

پورب کی طرف جو پہاڑ ہے اس کی چوٹی
پر ایک مینار ہے۔ اس مینار کے اندر بہت بڑا اور
بہت گہرا کنواں ہے۔ کہتے ہیں کہ اسے رستم نے
بنوایا تھا۔ اس کی گہرائی بھی سمندر کی گہرائی کے برابر
بتائی جاتی ہے۔

پچھم کی طرف کے پہاڑ کے درمیانی حصے پر
ایک چوکی بنی ہوئی ہے۔ یہ تین گز لمبی اور دو گز چوڑی
ہے۔ اس پر بیچ میں دو صراحیاں اور دو جام
رکھے ہیں اس چوکی اور جام و صراحی کے متعلق عجیب و
غریب بات مشہور ہے جو میرے خیال میں تو بالکل جھوٹی
ہے لیکن چونکہ ہے دلچسپ اس لئے یہاں ذکر کرتا
ہوں یعنی یہ کہ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ خواجہ حافظ
شیرازی اور حضرت علی علیہ السلام یہاں جنت کی شراب
نوش فرمایا کرتے تھے یہ جگہ بالکل ویران تھی ایک دن ایک
شخص کا اس طرف گذر ہو گیا اس نے دیکھا کہ دو آدمی بیٹھے ہیں اور کچھ
پی رہے ہیں۔ وہ فوراً اپنے چند ساتھیوں کو لے کر پہاڑ
پر چڑھنے لگا جوں جوں یہ لوگ قریب پہنچتے تھے ان دونوں
کی شکلیں بجائے صاف دکھائی دینے کے اور دھندلی پڑتی
جاتی تھیں جب وہ لوگ چوکی کے بالکل پاس آ گئے
تو یہ شکلیں بھی بالکل غائب ہو گئیں اور صراحی اور جام جن
میں جنت کی شراب تھی پتھر کے ہو گئے اسی زمانے سے
اس کا نام چاہِ حضرت علی مشہور ہے۔ یہ بھولے بھالے
ایرانی اس واقعے کو سچا جان کر یہاں منتیں مانگنے اور نذریں
چڑھانے آتے ہیں۔

میری شرارت

(از جناب معین الدین احمد صاحب)

بچپن میں شریر ہونا کوئی عجیب بات نہیں۔ لیکن بھائی خدا نہ کرے مجھ جیسا کوئی شریر ہو۔ بس ہر وقت شرارت کا بھوت سوار رہتا تھا۔ لوگ میری شرارت کی مثال دیا کرتے تھے لیکن پھر بھی میں اپنی اماں جان کی نظروں میں ایسا نیک اور سیدھا سادھا تھا کہ شرارت کے ہجے اور معنی بھی نہیں جانتا۔ انھیں خبر بھی کیسے ہوتی۔ لوگ تو میری شرارتیں ابا جان سے آکر کرتے تھے۔ اور ہمیں سزا بھی باہر ہی مل جاتی تھی۔

اس وقت میں آپ کو اپنی ایک دلچسپ شرارت کا حال سنانا چاہتا ہوں۔ میں نے ایک شریر لڑکے کی شرارت کا قصہ پڑھا اور اس پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ابا کے ڈر سے ہمت نہیں پڑتی تھی، ایک دن موقع مل گیا، ابا دو ایک دن کے لئے کسی ضرورت سے باہر چلے گئے۔ بس پھر کیا تھا۔ ہماری حکومت تھی میں نے اپنی گیند لی۔ اور شہر کے کنارے اپنے محلے سے دور سڑک پر کھیلنے لگا۔ کھیلتے کھیلتے میں نے وہ گیند سامنے والے مکان کی کھڑکی پر دے ماری۔ اس کھڑکی کے شیشے چور چور ہو گئے۔ گیند بھی اندر ہی رہ گئی۔ اس گھر میں اس وقت عورتیں ہی تھیں۔ اُن کے کان میں شیشہ ٹوٹنے کی آواز آئی۔ تو آکر دیکھا، وہاں گیند پڑی ہوئی تھی۔ انھوں نے اٹھائی اور شاید اس کے مالک یعنی میرا انتظار کرنے لگیں۔ مگر میں ایک شیشہ جڑنے والے کی دکان پر جا چکا تھا۔ اس دکان دار سے میں نے کہا میری اماں کی کھڑکی کے شیشے ٹوٹ گئے ہیں۔ چلو جڑ دو۔ وہ بے چارا میرے ساتھ ہولیا۔ میں اُسے اس

مکان کے نیچے کھڑا کر کے اوپر گیا۔ اور بیگم صاحبہ
کو سلام کر کے بہت متانت سے عرض کیا
کہ بیگم صاحبہ مجھ سے آپ کی کھڑکی کے شیشے ٹوٹ
گئے ہیں۔ لیکن آپ پروا نہ کریں۔ میرا باپ اُن
کی جگہ دوسرے شیشے جڑنے کے لئے کھڑا
ہے۔ آپ اجازت دیں تو میں بلالاؤں' اُن
کی اجازت سے میں نے اس شخص کو لاکر کھڑکی
دکھادی۔ اور خود گیند لے کر نیچے اتر آیا۔

وہ شخص شیشے جڑ چکا تو بیگم صاحبہ سے
مزدوری مانگی۔ بیگم صاحبہ حیران ہو کر کہنے لگیں
مزدوری! تم اس گیند والے لڑکے کے باپ
ہو نا؟ اس شخص نے کہا۔ صاحب! میں نے
تو اس لڑکے کو پہلی بار دیکھا ہے اس نے
دکان پر آکر کہا کہ میرے گھر کی کھڑکی
کے شیشے ٹوٹ گئے ہیں۔ تمھیں اماں نے بلایا
ہے۔ چلو چل کر جڑ دو۔ آپ اس کی ماں ہیں نا؟

وہ شریف عورت اب کیا کر سکتی تھی۔
بے چاری خود ہی شرمندہ ہو گئی، اور
شیشہ جڑوانے والے کو مزدوری دے۔ اس
جھگڑے کو ختم کیا۔

مگر وہ میری فکر میں رہیں۔ آخر اپنے محلے
کے لڑکوں کے ذریعے انھوں نے میرا پتہ لگا
لیا۔ اور خود اماں جان سے میری شکایت کی

اماں کو میری اس شرارت اور فریب کا حال
معلوم ہوا تو کانوں پر ہاتھ رکھ لیا اور جونہی میں
گھر میں گھسا اچھی طرح میری مرمت کی، اور
ابا سے بھی خوب پٹوایا۔ یہ مار کچھ ایسی سخت تھی کہ ہم نے
طے کر لیا کہ اب اس قسم کی شرارت نہیں کریں گے

کاٹھ کا اُلّو

(مولینا جمیل احمد صاحب قنوجی)

تم نے بازاروں اور میلوں میں لکڑی کے بنے ہوئے آدمی دیکھے ہوں گے جو ڈوری کھینچنے سے عجیب عجیب حرکتیں کرتے ہیں آؤ آج تمھیں اس سے بھی دلچسپ چیز بنانے کی ترکیب بتائیں یہ بڑے مزے کا کھیل بھی ہے اور اس سے تمھیں سلیقے کے ساتھ چیزوں کے بنانے کی مشق بھی ہو جائے گی یہ تو تم تصویر کو دیکھتے ہی پہچان گئے ہو گے کہ یہ کون بزرگ ہیں۔ یہ وہی چودھری صاحب (الو) ہیں جن کا ذکر تم اکتوبر کے پیام تعلیم میں پڑھ چکے ہو۔ آج انھیں کی شکل بنانا ہے۔ اگر تم نے اسے کامیابی کے ساتھ بنالیا تو خود تمھیں، دیکھ کر بڑی ہنسی آئے گی۔ جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے اسے دو ڈوریوں کے ذریعے حرکت دی جاتی ہے اور میاں اُلو اپنے کان اور بازو ہلاتے اور کچھ متعجب سے نظر آتے ہیں

بنانے کا طریقہ بہت آسان ہے۔ پتلی لکڑی کو کاٹ کر بناتے ہیں اور اس میں رنگ بھر دیتے ہیں

تمھیں پتلی لکڑی نہ ملے تو دفتی سے بنا کر دیکھو ہمارے خیال میں تو اس سے بھی اچھی شکل بن جائے گی۔ ہاں رنگ بھرنے میں ذرا زیادہ احتیاط کی ضرورت ہوگی۔ اب ہم ترکیب بتاتے ہیں۔
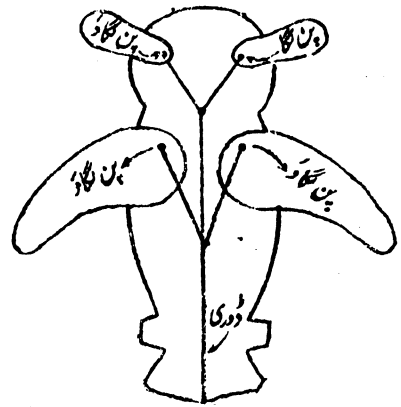
پہلے لکڑی یا دفتی پر پنسل سے الو کے بدن کے مختلف حصوں کی شکل کھینچ لو۔ پھر انھیں الگ الگ کاٹ کر دفتی ہو تو قینچی سے ورنہ چاقو سے تراش کر ٹھیک کر لو۔ اب لکڑی کا ایک تکونا ٹکڑا تراش کر سریش سے چہرے پر چپکا دو، یہ چونچ ہوگئی۔

اس کے بعد سب حصوں کو اس طرح جوڑو اور انھیں معمولی ڈوری سے اس طرح ملاؤ جیسا کہ پشت کی طرف کی تصویر میں دکھایا گیا ہے۔ پھر اس شکل کو روشن رنگوں سے بھر دو۔ اس کے لئے سبز، نیلے اور سرخ رنگ استعمال کرو تو زیادہ بہتر ہے۔ اس کا خیال رہے کہ آنکھیں دانوں کی طرح ہوں اور ایسی نظر آئیں گویا ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہیں۔

ہاں ایک بات تو رہ ہی گئی تار یا ڈوری کا ایک حلقہ سر کے سرے پر لٹکا دو تاکہ چڑیا کو لٹکایا جا سکے اب تمھاری تصویر تیار ہوگئی ذرا نیچے کی ڈوری پکڑ کر کھینچو تو دیکھو کیسی تفریح ہوتی ہے۔ چودھری صاحب کیسے مزے سے اپنے کان اور بازو ہلاتے ہیں جیسے

کسی بات سے حیران ہو کر ایسا کر رہے ہیں۔

خط کتابت

جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم

جنوری کے پیام تعلیم میں "انوکھے عدد" والا مضمون پڑھ کر بہت خوشی ہوئی، میں نے اسے بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھا اور مجھے یقین ہے کہ اور پیام بھائیوں اور بہنوں نے بھی اسے اسی دلچسپی اور شوق سے پڑھا ہوگا۔ اچھے ایڈیٹر صاحب ایسے دلچسپ مضمون ضرور ضرور پیام تعلیم میں شائع کیا کیجئے، میں کیا، ہر ایک انھیں پسند کرے گا۔

آپ کے ماہر تعلیم صاحب نے اپنے مضمون کے آخر میں یہ بھی لکھا ہے کہ تم بھی ایسا تعویذ بنانے کی کوشش کرو اور اگر بنالو تو ہمیں لکھ بھیجنا۔ پیام تعلیم کے کسی پرچے میں چھاپ دیں گے۔ یہ دیکھ کر میں بھی قلم دوات لے کر بیٹھ گئی کہ شاید میں بھی کچھ بنالوں، شروع شروع میں تو کچھ مشکل معلوم ہوا مگر بعد میں تو ایسی دلچسپی ہوگئی کہ یہ دو تعویذ بنا کر ہی دم لیا، اب انھیں میں آپ کے پاس بھیجتی ہوں اگر پسند آجائیں تو پیام تعلیم میں چھاپ دیجئے، مہربانی ہوگی، وہ تعویذ یہ ہیں:۔
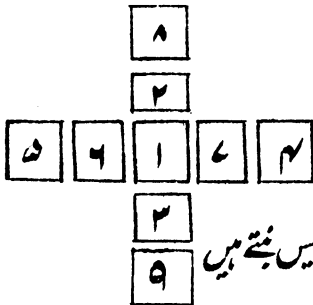
(۱) تینوں طرف سے بیس بنتے ہیں

(۲) دونوں طرف سے تیئیس بنتے ہیں
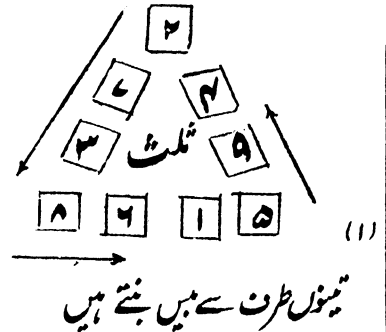
خاکسارہ جمیلہ عبداللہ گورنمنٹ ہاؤس لاہور

رنگ بھرنے کی تصویر

رنگ بھرنے کی یہ تصویر ہم نے دلی کے ایک مشہور آرٹسٹ سے خاص طور سے بنوائی ہے۔ تم اس میں رنگ بھر کر ہمارے پاس بھیج دو۔ آٹھویں درجے تک کے لڑکے اس مقابلے میں حصہ لے سکتے ہیں۔ جب رنگ بھر چکو تو نیچے کے کونے میں اپنا نام عمر اور درجہ لکھ کر اس پورے ورق کو رسالے سے علیحدہ کر لو اور ہمارے پاس بھیج دو۔ جس کی تصویر سب سے اچھی ہوگی اسے بہت اچھا انعام دیا جائے گا۔

نام ———— عمر ———— درجہ ————

پورا پتہ ————————————

پیامِ تعلیم
دھلی

جلد ۱۸ | مارچ سنہ ۱۹۳۵ء | نمبر ۳

فہرست مضامین

جامعہ پریس۔ پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ام اے پی ایچ ڈی

پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

قیمت سالانہ عہ/ — فی پرچہ ۴ر

مسٹر تفضل حسین صاحب ۔ تلے گاؤں ۔ دساسر
ماسٹر حسین بخش ۔ ملتان
افتخار النبی ۔ بمبئی
مدرسہ فوقانیہ ۔ رائچور
غلام زین العابدین ، ناگپور
عطیہ ولایت فاطمہ ، علی گڑھ
سید منظور حسین رضوی ۔ محمود آباد ۔
مرزا محسن علی بیگ ۔ علی گڑھ
عبدالغفار ، عبدالرحمٰن ۔ ہلیال
مولوی سید قادر محی الدین ۔ حیدرآباد
ایم ، ای ، اسکول ، اٹاوہ
مدرسہ وسطانیہ شاہ علی بنڈہ ۔ حیدرآباد
میونسپل اسکول لال دروازہ ، فرخ آباد
محمد نجم الحق حقی ، اٹاوہ
مسلم مڈل انگلش اسکول ، لہریا سرائے ۔
مولوی محمد ایوب ۔ لہریا سرائے
محمد یسین ۔ دھلی
سید محمد عبدالرؤف ۔ ڈھاکہ
چودھری بردی چند ۔ حیدرآباد
اخلاق الرحمٰن ۔ جامعہ دہلی
شبیر احمد " "
مجتبیٰ احمد " "

حافظ محمد ایوب خاں yamemin
گورنمنٹ گرلز اسکول
محمد ابراہیم ۔ کلکتہ
لائبریری کمیٹی مدرسہ فوقانیہ ، چھچل گوڑھ
رضیہ بیگم ۔ الوت محل
گورنمنٹ ہائی اسکول چادرگھاٹ ۔ حیدرآباد (تین پرچے)
مسلم یوتھ کانفرنس ۔ مدراس
مدرسہ تحتانیہ شاہی سلطان شاہی ۔ حیدرآباد
" " یاقوت پورہ " "
محمد نصرت اقبال ۔ سہارنپور
اینگلو اردو مڈل اسکول ۔ اوجین
مس خورشید جہاں حمید ۔ ارکی
نعیم اللہ ۔ ایٹہ
مدرسہ وسطانیہ گوشہ محل ۔ حیدرآباد
شیخ احمد صادق ۔ امرتسر

حسن سبحانی دھلی
عبدالشکور "
رفیق عزیز "
ابوالعزیز "
اورنگ زیب "
غضنفر محمد "
رفیق احمد "

رفیق النبی دہلی
خلیل احمد "
عبدالسمیع "
مظہر حسین "
منصور احمد "
ابرار الرحمٰن "
عبدالحی "

ثروت خاں دہلی
عابد سجاد "
خالد بخش "
آفتاب احمد "
خلیل الرحمٰن "

بچوں سے باتیں

جنوری کے پرچے میں ہم نے محترمہ خالدہ ادیب خانم کی تصویر شائع کی تھی اور وعدہ کیا تھا کہ ہم ان کا مضمون بھی دیں گے ۔ تمہیں اس مضمون کا انتظار ہوگا ۔ مگر افسوس ہے محترمہ خالدہ خانم کو اس عرصے میں بہت افسوس ناک حادثہ پیش آگیا جس کی وجہ سے وہ مضمون نہ لکھ سکیں ۔ ہوا یہ کہ ان کے بھتیجے عاطف بے جو افغانستان میں بہت اچھے عہدے پر ملازم تھے ۔ ان سے ملنے کی خاطر افغانستان کا سفر طے کرکے دہلی آئے تھے ۔ اور ایک ہوٹل میں ٹھہرے تھے ۔ ایک رات کو ایکا ایکی قلب کی حرکت بند ہو گئی ۔ اور ان کا انتقال ہو گیا۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن

یہ حادثہ یوں ہی کیا کم تھا اور پھر اپنے وطن سے دور ایسی بے سر و سامانی کی حالت میں ۔ محترمہ خالدہ خانم اسی غم اور پریشانی کی وجہ سے مضمون نہ لکھ سکیں تاہم انھوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ جہاز میں بیٹھ کر پیام تعلیم کے لئے ایک اچھا سا مضمون لکھ دیں گی ۔

رنگ بھرنے کی تصویر سے بچے بہت دل چسپی لے رہے ہیں ۔ بہت سی تصویریں ہمارے پاس پہنچ چکی ہیں ۔ ہم نے اس کے لئے آخری تاریخ ۱۵ مارچ مقرر کی ہے جو بچے اپنی تصویریں بھیجنا چاہتے ہوں وہ اس تاریخ تک ضرور بھیج دیں ۔

"انوکھے عدد" والے مضمون کا تیسرا نمبر اس پرچے میں شائع ہو رہا ہے ۔ اس مضمون کو پڑھ کر تمھیں خود ہی اندازہ ہوگا کہ کتنا دل چسپ اور کس قدر مفید ہے بڑی مشکل یہ ہے کہ محترم مضمون نگار کو فرصت بالکل نہیں ملتی ۔ پھر بھی ہم نے چوتھے مضمون کے لئے ان سے وعدہ لے ہی لیا ہے ۔ یہ بہت خوشی کی بات ہے کہ تم ان کا مضمون بہت دل چسپی سے پڑھتے ہو ۔ تم میں سے بہت سے لڑکوں کے خط ان کے مضمون کے بارے میں آتے رہتے ہیں ۔ اصل میں ان خطوں کی وجہ سے انھیں مضمون لکھنے پر اور بھی مجبور ہونا پڑتا ہے بعض خط ہم اس پرچے میں شائع بھی کر رہے ہیں ۔

ٹکٹوں والے مضمون کا بھی تیسرا حصہ چھپ رہا ہے اس مرتبہ ہم اس مضمون کے سلسلے میں ایک بہت پرانے ٹکٹ کی تصویر بھی شائع کر رہے ہیں ۔ اسی طرح جامع مسجد والے مضمون کے ساتھ جامع مسجد کی ایک بہت اچھی تصویر شائع کی جا رہی ہے ۔ اس سلسلے کے اکثر مضمون اللہ نے چاہا تو تصویر کے ساتھ شائع ہوں گے ۔

ہماری جامعہ کا یوم تاسیس ویسے تو ہر سال بڑے اہتمام سے منایا جاتا ہے اور دو تین دن تک خوب چہل پہل رہتی ہے مگر اب کے ایک خاص بات یہ تھی کہ اوکھلے میں جامعہ کی عمارتوں کا سنگِ بنیاد (بنیاد کا پتھر) رکھا جانے والا تھا شاید تم نے اوکھلے کا نام اس سے پہلے نہ سُنا ہو۔ یہ دلی سے کوئی سات آٹھ میل اور حضرت نظام الدین اولیا کی بستی سے کوئی دو ڈھائی میل دور بڑی اچھی فضا کی جگہ ہے یہاں جمنا کا بندھ باندھا گیا ہے اور اس سے نہر نکالی گئی ہے بے شمار لوگ روزانہ تفریح کے لئے آتے ہیں۔

سنگ بنیاد رکھنے کی تاریخ پہلی مارچ کو نماز جمعہ کے بعد مقرر کی گئی تھی۔ دلی کے اور دوسرے شہروں کے بہت سے حضرات کو جو جامعہ سے ہمدردی رکھتے ہیں اس موقع پر شریک ہونے کی دعوت دی گئی تھی۔

پہلی مارچ کو لوگ بارہ بجے سے اوکھلے میں جمع ہونے لگے۔ جامعہ کے طالب علم، استاد، اور دوسرے کام کرنے والے لاریوں کے ذریعے اوکھلے پہنچ گئے۔ شہر کے لوگوں کے لئے بھی سواریوں کا انتظام جامعہ کی طرف سے تھا۔ جمعہ کی نماز وہیں پڑھی گئی۔ اور تین بجے جلسہ شروع ہوا امیر جامعہ جناب ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری صدر تھے۔ قرآن شریف پڑھنے اور جامعہ کے استاد جناب مولانا اسلم صاحب کی نظم کے بعد جلسے کی کارروائی شروع ہوئی۔ سب سے پہلے ہمارے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب نے تقریر فرمائی۔ آپ نے پہلے اُن بزرگوں کا ذکر کیا جن کے مبارک ہاتھوں سے جامعہ قائم ہوئی تھی مثلاً شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب رح۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب مرحوم اس کے بعد آپ نے جامعہ کی پچھلی تاریخ دہرائی کہ کس طرح لوگ پہلے خیموں میں رہتے تھے (اس کی تصویر پچھلے سال گرہ نمبر میں دی جا چکی ہے) اور اب ۱۴ سال بعد خدا کے فضل سے یہ دن نصیب ہوا ہے کہ اُس کی عمارت کے لئے سنگ بنیاد رکھا جائے مگر ساتھ ہی آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اصل چیز تو وہ مقصد ہے جس کے حاصل کرنے کی جامعہ کے لوگ باوجود ہزاروں پریشانیوں اور دقتوں کے کوشش کر رہے ہیں۔ ان عمارتوں میں آکر اگر اس مقصد کی طرف سے ہماری توجہ ذرا بھی ہٹ جائے تو ہماری یہ عمارتیں بالکل بے کار ہیں ہمیں ان عمارتوں میں آکر اپنے خیموں کو بھولنا نہیں چاہئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ہم نے اپنی عمارتوں کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے کسی بڑے مشہور آدمی کو نہیں بلایا ہے
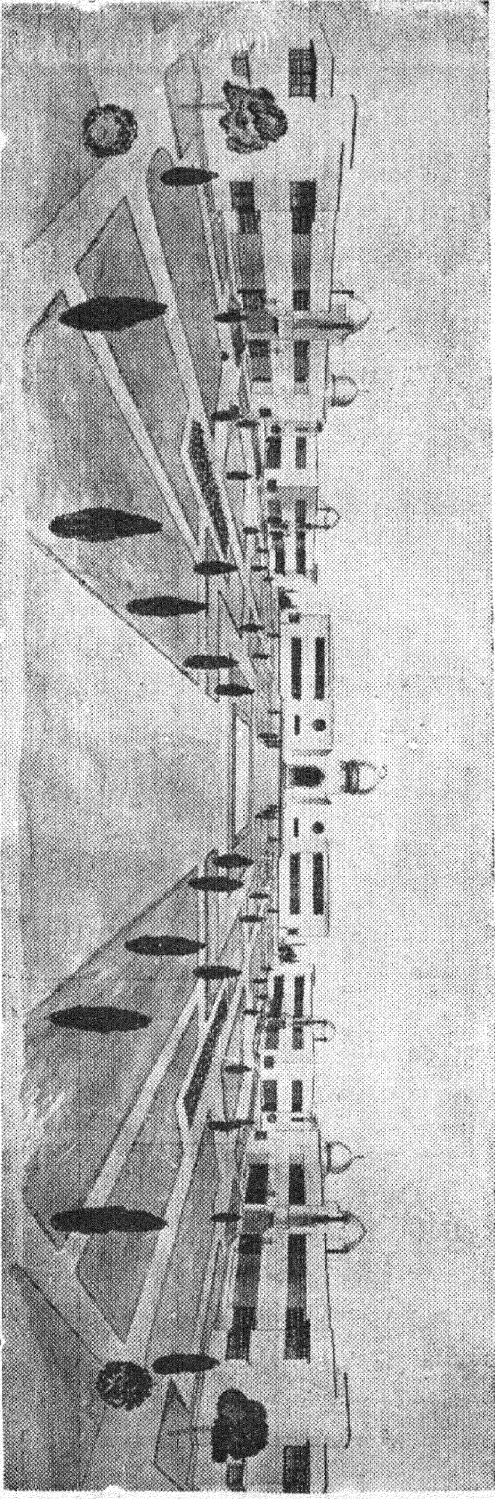
جامعہ کی نئی عمارتوں کا نقشہ ۔ تعمیر کا کام بھی عنقریب شروع ہونے والا ہے ۔
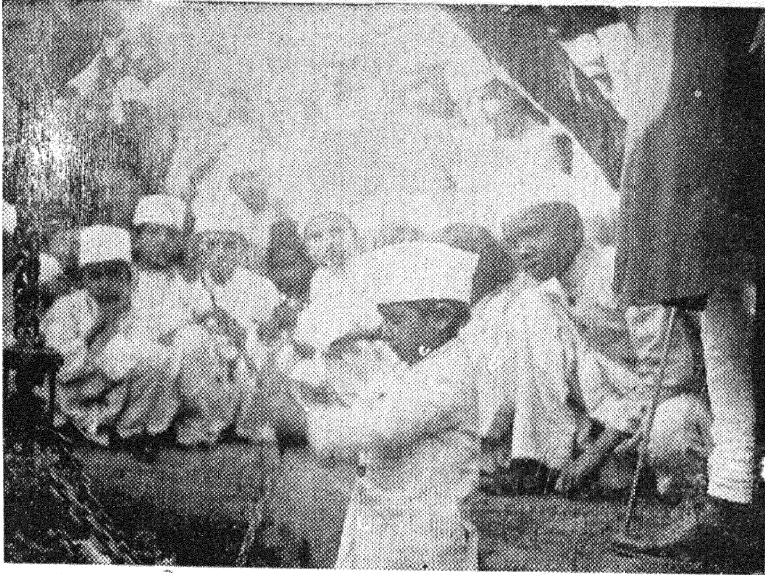
جامعہ کا ایک چھوٹا طالب علم عبدالعزیز دارالاقامہ کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ رہا ہے ۔

دوبیش قیمت ٹکٹ

برموڈہ کے پہلے ٹکٹ جن میں قیمت ہاتھ سے لکھی جاتی تھی اور پوسٹماسٹر کے دستخط ہوتے تھے بائیں ہاتھ کا ٹکٹ دوہزار روپے اور دائیں ہاتھ کا ساڑھے چار ہزار میں فروخت ہوا ہے۔

بلکہ ہماری جامعہ کے چھوٹے بچوں میں سے ایک سب سے چھوٹا بچہ یہ بنیادی پتھر رکھے گا آپ کی تقریر ایسی اچھی تھی کہ تمام لوگوں پر اس کا اثر ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے بعد محترمہ خالدہ ادیب خانم نے تقریر فرمائی۔ آپ نے کہا کہ "میرے بچو جامعہ کا سنگ بنیاد تم سے رکھوایا جا رہا ہے۔ جانتے ہو کیوں! اس لئے کہ ہندوستان کی آیندہ ترقی کا دار مدار یہاں کی نئی نسل، یعنی تم پر ہے تم ہی ہو جو آگے چل کر ہندوستان کی قسمت کے مالک بننے والے ہو۔ جامعہ نے تم سے بڑی بڑی امیدیں قائم کی ہیں اور اے بچو مجھے یقین ہے کہ تم ان کے اہل ثابت ہو گے" یہ تقریر بھی بہت پسند کی گئی۔ اور سننے والوں پر بڑا اثر پڑا۔ آخر میں امیر جامعہ جناب ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری نے تھوڑی دیر تک تقریر کی اور پھر چندوں کا اعلان ہونے لگا جلسے ہی میں کوئی ۱۴ ہزار روپے کے چندوں کا اعلان ہو گیا جلسہ ختم ہونے پر سنگ بنیاد رکھنے کی رسم ادا ہوئی عبدالعزیز دو سالہ نے جو جامعہ کے استاد جناب مولانا شرف الدین صاحب کا پوتا اور جامعہ کے ایک پرانے طالب علم جناب سید محمد ٹونکی بی اے جامعہ کا لڑکا ہے۔ کچھ اور چھوٹے چھوٹے لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ مل کر یہ رسم ادا کی فوٹوگرافروں نے اس موقع پر بہت سے فوٹو بھی لئے ان میں سے ایک تصویر اس پرچے میں دی جا رہی ہے۔

اس رسم کے ادا ہونے کے بعد عصر کی نماز ہوئی اور پھر چا پی گئی اور لوگ اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ یہ جلسہ خوب کامیاب رہا تقریباً ایک ہزار آدمیوں نے شرکت کی۔ چندہ دینے والوں میں محترمہ خالدہ ادیب کا نام خاص طور پر اہم ہے انھوں نے ایک ہزار روپیہ چندہ دیا۔

دوسرے روز ۲ مارچ کو کوئی دس بجے جامعہ کے پرانے طالب علموں کی انجمن کا جلسہ ہوا۔ اس میں یہ طے ہوا کہ انجمن کے لئے بھی اوکھلے میں ایک مکان بنایا جائے جس میں جامعہ کے پرانے طالب علم کبھی کبھی آکر ٹھہرا کریں۔ زمین خریدنے اور عمارت بنانے کے لئے چندوں کا اعلان ہوا۔

شام کو ساڑھے چار بجے کھیل کے میدان میں ورزشی کھیلوں کا مقابلہ ہوا۔ اس میں کالج، اسکول اور ابتدائی مدرسے کے لڑکے شریک تھے۔ بہت سے دلچسپ مقابلوں میں لڑکوں نے حصہ لیا۔ جامعہ کے استادوں۔ پرانے طالب علموں اور نوکروں کی بھی دلچسپ دوڑیں ہوئیں۔ بہت سے معزز مہمان اس موقع پر تشریف لائے تھے۔ انعام محترمہ خالدہ ادیب خانم کے ہاتھ سے تقسیم کرایا گیا۔ محترمہ خالدہ خانم نے تھوڑی دیر تک لڑکوں کے سامنے تقریر بھی کی جس میں کامیاب ہونے والوں کو مبارکباد دی گئی تھی۔ اور ناکام رہنے والوں کو ہمت دلائی گئی تھی اس کے علاوہ اور بہت اچھی اچھی نصیحتیں کیں۔ مہمانوں کو چا بھی پلائی گئی۔

شام کو ۸ بجے مشاعرہ تھا۔ اس میں شرکت کے لئے ہندوستان کے مشہور شاعر حضرت صفی، ثاقب، ظریف اور جگر تشریف لائے تھے۔ خود دلی کے بہت سے اچھے اچھے اور مشہور شاعر موجود تھے۔ جامعہ کے مشاعرے میں ایک خاص بات یہ

ہوتی ہے کہ ہر شاعر اپنا بہترین کلام سناتا ہے اس مرتبہ بھی شاعروں نے اپنی بہت ہی اچھی اچھی نظمیں اور غزلیں سنائیں۔ سب سے آخر میں حضرت ظریف کا ظریفانہ کلام سن کر تو لوگوں کے پیٹ میں بل پڑ پڑ گئے آپ نے آج کل کے شاعروں کا خاکہ اڑایا تھا مشاعرے میں شریک ہونے کے لئے انگریزی کی مشہور شاعرہ بیگم سروجنی نائڈو بھی تشریف لائی تھیں آپ نے بھی اپنی ایک بہت ہی اچھی انگریزی نظم سنائی رات کے کوئی ایک بجے یہ دلچسپ صحبت ختم ہوئی۔ تیسرے دن صبح کو محترمہ خالدہ ادیب خانم جو محض جامعہ کی سال گرہ میں شرکت کے لئے دوبارہ دہلی تشریف لائی تھیں حیدرآباد روانہ ہونے والی تھیں اس لئے جامعہ کے استاد اور طالب علم انھیں پہنچانے کے لئے اسٹیشن گئے۔ دس بجے سے تعلیمی مرکز (بچوں کے مدرسے) کے ہال میں تقریری مقابلہ تھا۔ یہ مقابلہ ہر سال ہوتا ہے اور اس کی اطلاع ہم پیام تعلیم میں برابر دیتے رہے ہیں۔ مقابلہ تقریر اور تحریر دونوں میں ہوتا ہے باہر کے مدرسوں کے طالب علم بھی اس میں شریک ہوتے ہیں اور جس مدرسہ کے نمبر سب سے زیادہ ہوتے ہیں اُسے محمد علی ٹرافی کے نام سے چاندی کی نہایت خوب صورت بنی ہوئی جامع مسجد ملتی ہے جسے وہ ایک سال تک اپنے یہاں رکھ سکتا ہے۔

اس مرتبہ دہلی اور دہلی سے باہر کے بارہ مدرسے مقابلے میں شریک ہوئے۔ اور کل ۴۶ لڑکوں نے مقابلے میں حصہ لیا۔ مضمون لکھنے کا مقابلہ ۲۸ تاریخ کو ہو چکا تھا صرف تقریری مقابلہ باقی تھا وہ آج شروع ہوا پہلے مشاہدے کے ذریعے بچوں کی تقریریں ہوئیں۔ مشاہدے کا مطلب یہ ہے کہ بچے کے سامنے کسی جانور کی تصویر رکھ دی جائے اور اس سے کہا جائے کہ اس جانور کے بارے میں جو کچھ وہ جانتا ہے بیان کرے۔ اس مقابلے میں پنجابی اسکول کا ایک لڑکا محمد نقی اول، جامعہ کی ایک بچی قدسیہ صدیق دوم اور فیض عام ہائی اسکول میرٹھ کا لڑکا محمد طاہر خاں سوم آئے۔ محمد نقی کی تقریر بہت پسند کی گئی پھر بڑے لڑکوں کی تقریروں کا مقابلہ شروع ہوا اس میں فتحپوری مسلم ہائی اسکول دہلی کا لڑکا خورشید الاسلام اول آیا۔ پنجابی اسکول دہلی کا لڑکا عبد المتین دوم اور فیض عام ہائی اسکول میرٹھ کا لڑکا عثمان الرحمن سوم آئے تقریروں کا سلسلہ کوئی ساڑھے بارہ بجے تک جاری رہا۔ چوں کہ تقریریں ابھی باقی تھیں اور وقت بہت گذر گیا تھا۔ اس لئے جلسہ آٹھ بجے شام کے لئے ملتوی ہوا۔ تیسرے پہر کو بیگم صاحبہ مولانا محمد علی مرحوم کی صدارت میں عورتوں کا ایک جلسہ ہوا۔ بیگم صاحبہ اور دوسری عورتوں نے جامعہ کے بارے میں تقریریں کیں۔ جامعہ کی عمارت کے لئے چندہ بھی ہوا۔ ساڑھے چار بجے کالج کے طالب علموں کی طرف سے جامعہ کے پرانے طالب علموں کی چاء کی دعوت تھی۔ چاء کے بعد سب کا فوٹو بھی لیا گیا۔

۸ بجے شام کو پھر تقریروں کے مقابلے کا جلسہ ہوا اس مرتبہ فی البدیہ تقریریں ہوئیں یعنی لڑکے کو وقت کے وقت کوئی عنوان دینے کے بعد پانچ منٹ تک اُسے سوچنے کا موقع دیا جاتا تھا۔ اور پھر پانچ منٹ تقریر کے لئے دئے جاتے تھے۔ کوئی نو بجے یہ تقریریں ختم ہوئیں۔ چونکہ فیض عام ہائی اسکول میرٹھ کے نمبر سب سے زیادہ تھے۔ اس لئے ٹرافی کا مستحق وہی سمجھا گیا۔

انعام مشہور قومی شاعر شمس العلما خواجہ سید الطاف حسین صاحب کے صاحبزادے جناب خواجہ سجاد حسین صاحب بی اے علیگ کے ہاتھ سے تقسیم کرائے گئے محترم خواجہ صاحب نے انعام دینے کے بعد بچوں کو بہت اچھی اچھی نصیحتیں بھی کیں۔ اسی درمیان میں جامعہ کے چھوٹے بچوں کی قوالی بھی ہوئی۔ ان ننھے ننھے بچوں نے قوالوں کی نقل کچھ اس خوبی سے اتاری کہ سب سننے والے حیران تھے۔ خصوصاً ایک بہاری لڑکے نے تو کمال ہی کر دیا یہ بتانا ہم بھول گئے کہ تحریری مقابلے میں اینگلو عربک ہائی اسکول دہلی کا طالب علم یقین الدین اول تعلیمی مرکز جامعہ کا طالب علم عبدالوحید دوم اور فیض عام ہائی اسکول میرٹھ کا طالب علم ابن فاروق سوم آئے۔

تعلیمی مرکز کی عمارت میں جامعہ کے کاموں کی نمائش بھی تھی۔ اس میں بچوں کی ڈرائنگ، نجاری، (بڑھئی کا کام) اور خوش خطی کے نمونے تھے جغرافیہ کا بھی بہت عمدہ کام تھا۔ بچوں نے لکڑی کے جانور اور پرندے بنائے تھے اور ان پر بہت عمدہ رنگ کیا تھا۔ بعض تصویریں بھی بہت عمدہ تھیں جغرافیہ کے نقشے بڑی مہارت اور سلیقے سے بنائے گئے تھے۔ بعض لڑکوں نے ہندوستان کے مختلف پیشوں کے لوگوں کی تصویریں جمع کی تھیں۔ بعض طالب علموں نے ہندوستان کی تاریخی عمارتوں کی تصویروں کا البم تیار کیا تھا۔ بعض نے جانوروں کی تصویریں جمع کی تھیں مختلف درجے کے طالب علموں نے اپنے اپنے درجے کے قلمی رسالوں کا سالگرہ نمبر نکالا تھا۔ کالج کے لڑکوں نے اپنے رسالے میں طالب علموں کے علاوہ باہر کے مشہور لکھنے والوں کے مضمون بھی جمع کئے تھے اسکول کے لڑکوں کا رسالہ چمن بھی بہت اچھا نکلا تھا۔ نمائش میں جامعہ کے مکتبہ کی کتابیں بھی رکھی گئی تھیں۔ ان میں سے اکثر خود مکتبہ کی چھپی ہوئی تھیں اور کچھ باہر یعنی حیدر آباد، لاہور، اعظم گڑھ، علی گڈھ وغیرہ کی بھی۔ غرض ہر اعتبار سے یہ نمائش کامیاب اور تعریف کے قابل تھی اس لئے اور بھی کہ اکثر چیزیں خود لڑکوں کے ہاتھ کی بنی ہوئی تھیں۔
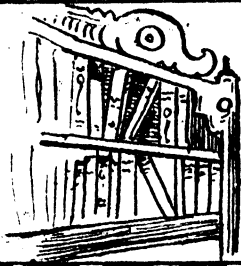
(ماہر تعلیم)

بھائی، ہمیں تو خیال بھی نہ تھا کہ لوگوں کو ہمارے 'انوکھے عددوں' سے اتنی دلچسپی ہوجائے گی اور ان کا ایسا چرچا ہوگا۔ ابھی کل ایک صاحب دفتر میں آئے اور کہنے لگے "کہیے، آپ کے 'انوکھے عدد' ختم ہوگئے یا ابھی اور کچھ لکھیے گا" ہم نے کہا "دیکھیے۔ ابھی تو کچھ اور بھی ہیں۔ مگر آپ کہیے۔ آپ کو بھی کچھ انوکھے عدد معلوم ہوں تو بتائیے" فرمانے لگے۔ "جی ہاں۔ معلوم کیوں نہیں ہیں۔ یونہی خالی خولی آپ کے پاس تھوڑے ہی آیا ہوں" ہم نے کہا "تو بسم اللہ فرمائیے" بولے:
"جناب ایسی انوکھی چیز آپ کو بتاؤں کہ آپ بھی حیرت میں رہ جائیں۔ اچھا، لیجیے یہ پنسل اور کاغذ اور کوئی تین عدد لکھ دیجیے" ہم نے پوچھا "کیسے عدد، ایک ایک ہندسہ والے یا دو دو والے یا اس سے بڑے؟" جواب دیا "جتنے ہندسوں کے عدد چاہیے لکھ دیجیے" جی میں تو آیا کہ لکھ دیں آٹھ آٹھ نو نو ہندسوں کے عدد۔ مگر پھر جی نے کہا نہیں نہ بہت چھوٹے عدد ہوں نہ بہت بڑے اور ہم نے کاغذ پر یہ تین عدد لکھ دیے۔

۲۳۷۶

۴۱۰۵۲

۳۸۰۴

اور کہا "لیجئے جناب لکھ دئے۔ اب فرمائیے" بولے فرمانا ورمانا کیا میں ابھی جھٹ ان کے نیچے تین عدد لکھے دیتا ہوں سب کو جوڑئیے تو ۲۹،۹۹۷ ہوں گے"
ہمیں بڑی حیرت ہوئی کہ یہ کیسے کریں گے مگر بھائی انھوں نے دیکھتے دیکھتے ان عددوں کے نیچے تین عدد لکھ ہی تو دئیے، یوں:-

۶۷۳۲

۲۵۱۴

۴۰۸۳

۳۲۶۷

۷۴۸۵

۵۹۱۶

اور کہا "جوڑ لیجئے وہی نتیجہ نکلے گا ۲۹،۹۹۷" ہم نے جوڑا تو بات ٹھیک نکلی۔ بہت سوچا کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ تم تیز لوگ ہو شاید سمجھ گئے ہو۔ ہم نے تو ان صاحب سے یہ کہا "آپ نے عجیب بات دکھائی۔ مگر ہم سمجھے نہیں ہمیں سمجھا دیجئے" بولے "نہیں۔ حضرت میں ایسے نرم چارے کا قائل نہیں۔ میں یوں بتاتا وتاتا نہیں۔ خود سوچئے"
میں نے کہا "تو اچھا اب کی میں چھوٹے چھوٹے عدد لکھوں گا۔ اور تین نہیں دو ہی لکھوں گا" فرمایا۔ "بہت اچھا۔ دو ہی عدد لکھئے۔ کتنے کتنے ہندسے کے لکھئے گا؟"
میں نے جواب دیا دو دو ہندسے کے عدد ہوں گے" فرمایا تو اچھا لکھئے آپ

کے دو عدد اور میرے دو عدد کا مجموعہ ۱۹۸ ہوگا۔" میں نے کہا "یہ خوب رہی میں نے ابھی عدد لکھے بھی نہیں اور آپ نے جوڑ کر نتیجہ بھی بتا دیا۔" کہنے لگے "جی ہاں۔ لکھئے، لکھئے"۔

میں نے لکھا	۷۶

۸۷

اُنھوں نے نیچے لکھ دیا	۲۳ اور ۱۲

اب جو جوڑا	۷۶

۸۷

۲۳

۱۲

تو وہی	۱۹۸

ہم نے غور سے دیکھا کہ یہ حضرت کس طرح جلدی سے یہ عدد لکھ دیتے ہیں۔ ہم نے لکھا ۷۶، اُنھوں نے لکھ دیا ۲۳۔ ہم نے لکھا ۸۷، اُنھوں نے لکھ دیا ۱۲۔ سوچا سوچا ۶ اور ۳ = ۹۔ پھر ۷ اور ۲ = ۹۔ دوسرے میں ۷ اور ۲ وہ بھی ۹، ۸ اور ۱ وہ بھی ۹۔ اپنے پہلے اور ان کے پہلے عدد کو جوڑا تو ۹۹۔ اپنے دوسرے اور ان کے دوسرے عدد کو جوڑا تو ۹۹۔

بات کچھ سمجھ میں آئی۔ تو ہم نے کہا "اچھا، جناب اب ہم ایک ہی ایک ہندسے کا عدد لکھیں گے اور ۴ عدد لکھیں گے"۔ اُنھوں نے کہا معلوم ہوتا ہے آپ سمجھ گئے، مگر خیر لکھئے"۔ ہم نے پوچھا "جوڑنے سے کیا آئے گا" کہا ۳۶ آئے گا اور کیا آئے گا"۔

ہم نے لکھا

۷

۲

۵

۴

اُنھوں نے لکھ دیا ۲، ۷، ۴، ۵

جوڑا

۷

۲

۵

۴

۲

۷

۴

۵

تو وہی ۳۶

ہم نے پھر نظر ڈالی تو وہی ۹ کا معاملہ نکلا

۷ اور ۲، ۹، ۲ اور ۷، ۹

۵ اور ۴، ۹، ۴ اور ۵، ۹

ہم یہ تُو تُو کہہ ہی رہے تھے کہ وہ ہنس پڑے اور بولے "بھائی تم سمجھ گئے"۔ یہ ہی اسی ۹ کا کرشمہ۔ دیکھئے آپ نے ایک ایک ہندسے کے عدد لکھے تو ہم نے لیا ایک ۹

اور آپ نے ۴ عدد لکھے تھے تو ہم نے ۹ کو ۴ سے ضرب دے کر جھٹ کہہ دیا ۳۶۔ آپ نے ۷ لکھا تھا تو ہم نے جھٹ ۲ لکھے کہ ۹ ہو جائیں۔ آپ نے ۲ لکھا تھا ہم نے ۷ لکھے کہ ۹ ہو جائیں۔ آپ نے ۵ لکھا ہم نے ۴ لکھ دیا کہ ۹ ہو جائیں۔ آپ نے ۴ لکھا ہم نے ۵ لکھ دیا تاکہ وہی ۹ ہو جائیں اور یوں جوڑنے سے وہی آیا ۳۶۔

آپ نے دو دو ہندسے کے عدد لئے تو ہم نے بھی دو دو نوے لئے یعنی ۹۹ آپ نے جو عدد لئے تھے ہم نے بھی اپنے ۹۹ کو دو سے ضرب دے دیا اور کہہ دیا کہ حاصل جمع ہوگا ۹۹ × ۲ یعنی ۱۹۸۔ اور آپ نے لکھا تھا ۶۷ ہم نے ۹ میں سے ۶ گھٹا ۳ اور ۹ میں سے ۷ گھٹا ۲ لکھے یعنی ۳۲۔ اسی طرح آپ نے ۸۰ لکھا تو ہم نے ۱۲ لکھ دیا۔

بس یہی ترکیب ہے۔ آپ نے چار چار ہندسے والے عدد لکھے۔ ہم نے بھی ۹۹۹۹ چار نوے لئے تین عدد آپ نے لکھے تھے ہم نے بھی ایسے تین عدد لکھ دیئے کہ ہمارے عدد کا ہر ہندسہ آپ کے عدد کے اسی مقابلہ والے ہندسہ سے ملا کر ۹ ہو جائیں اور بس اس ۹۹۹۹ کو ۳ سے ضرب دے کر کہہ دیا کہ حاصل جمع ۲۹۹۹۷ ہوگا۔ بس اب سمجھے۔" ہم نے کہا "شکریہ۔ آپ نے خوب چیز بتائی۔ اگر اجازت ہو تو اپنے پیام بھائیوں کو بھی یہ چیز بتا دیں۔ وہ لوگ بھی آپ کے شکر گذار ہوں گے۔" فرمایا "ضرور بھائی ضرور، پیام بھائیوں کے لئے ہی تو آپ کو یہ سب قصہ سنا کر آپ کا وقت خراب کیا۔" "نہیں نہیں صاحب یہ تو آپ کی بڑی نوازش تھی۔" اچھا تو چلئے السلام علیکم" "وعلیکم السلام۔"
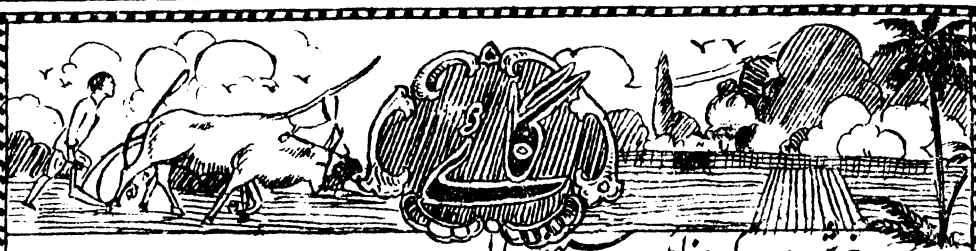
خوش ہو کے جفائیں سہنے والی
ہر حال میں مست رہنے والی

سچ ہے کہ عجیب چیز ہے گائے
دل سے سب کو عزیز ہے گائے

رسّی سے بندھی ہے چپ کھڑی ہے
گویا کہ زمین میں گڑی ہے

چر چر کے ہرے بھرے بنوں میں
امرت بھر لائی ہے تھنوں میں

گھی، دودھ، دہی، ملائی، ربڑی
حاصل ہوئیں سب بدولت اس کی

دوری میں تمام دن تھا کاٹا
بچّے کو گھر آ کے خوب چاٹا

رخصت ہوا دن کا جب اُجالا
آیا دوہنے کو دودھ گوالا

سانی بس اک ذرا سی کھا کر
دے دیتی ہے دودھ بالٹی بھر

بچھڑے نے تھنوں میں سر جو مارا
دودھ اُس کے لئے پھر اور اتارا

سر اپنا ہلاتی جا رہی ہے
دودھ اس کو پلاتی جا رہی ہے
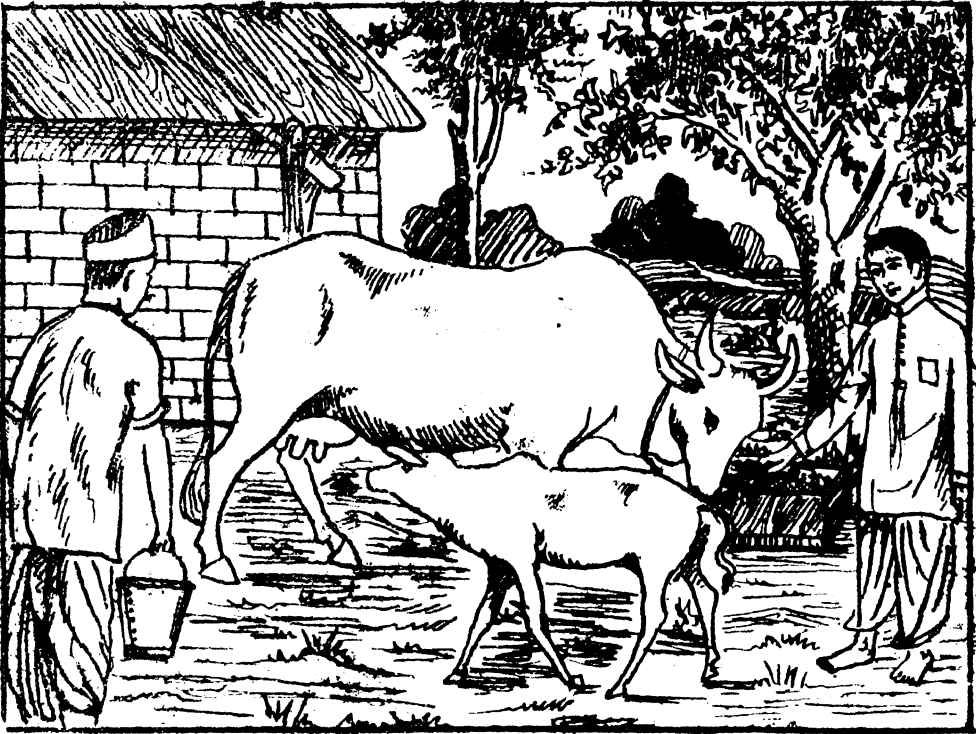
بڑھ کے بچھڑا جواں ہوا جب
ماں سے اُسے کچھ رہا نہ مطلب

محنت سے کبھی نہ جی چراتا
دن بھر کھیتوں میں ہل چلاتا

کندھے پہ جوا خوشی سے رکھ کر
وہ کھینچتا کچّے راستوں پر
اپنی روزی وہ خود کماتا
ماں سے کبھی مانگنے نہ جاتا

ماں بیٹوں کا کام اب ہے خدمت
خدمت سے ملی ہے ان کو عظمت
سچ ہے خدمت ہے سب کو پیاری
خدمت سے ہے آبرو ہماری

لطیفہ

استاد:۔ اچھا تو اب بتاؤ یہ کاہے کی تصویر ہے۔
رام:۔ بندر کی۔
استاد:۔ ٹھیک! اور یہ کرتا کیا ہے۔
رام:۔ درخت پر چڑھتا ہے۔
استاد:۔ بالکل ٹھیک ہے اور کیا کرتا ہے۔
رام:۔ اور (سوچ کر) اور پھر نیچے اترتا ہے۔

جامع مسجد

(از جناب محمود علی خانصاحب جامعی)

دلی کی جامع مسجد ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ باہر کے ملکوں میں بھی مشہور ہے۔ دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں اور پرانے زمانے کے لوگوں کی کاری گری دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں۔ یہ مسجد بہت بڑی اور بہت لمبی چوڑی ہے لیکن اگر ذرا دور سے کھڑے ہو کر دیکھو تو مسجد کا اصل دالان اس کے مینار۔ اس کے گنبد۔ اس کے پھاٹک سب کا کچھ ایسا جوڑ ملا ہوا ہے کہ ساری مسجد ایک خوب صورت کھلونا سا معلوم ہوتی ہے۔

مغل بادشاہوں میں اکبر کا نام تو تم نے ضرور سنا ہوگا شاہ جہاں بادشاہ اس کا پوتا تھا۔ اب سے کوئی پونے تین سو برس پہلے دہلی میں شاہ جہاں ہی کی حکومت تھی۔ اس بادشاہ کو اچھی اچھی عمارتیں بنوانے کا بڑا شوق تھا۔ دہلی کی جامع مسجد بھی اسی بادشاہ نے بنوائی ہے۔

شاہ جہاں کے ایک وزیر تھے سعد اللہ خاں اور ایک خان ساماں تھے فضل خاں۔ آج کل انگریز بھی اپنے کھانا پکانے اور کھلانے والے کو خان ساماں کہتے ہیں لیکن مغل بادشاہوں کے زمانہ میں یہ بہت بڑا عہدہ تھا۔ اس زمانہ میں خان ساماں بادشاہ کے خاص کاموں کا انتظام کیا کرتا تھا۔ ہاں تو یہ مسجد ان ہی دونوں شخصوں کی نگرانی میں بنی تھی۔ پہلے اس جگہ ایک چھوٹی سی پہاڑی تھی۔ اسے بھوجلا پہاڑی کہتے تھے۔ بادشاہ نے اسی جگہ کو مسجد کے لئے پسند کیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ چھ ہزار راج۔ بیلدار۔ مزدور۔ سنگ تراش[1] وغیرہ چھ برس تک روزانہ اس کے بنانے

---

[1] پتھر کا کام کرنے والے۔
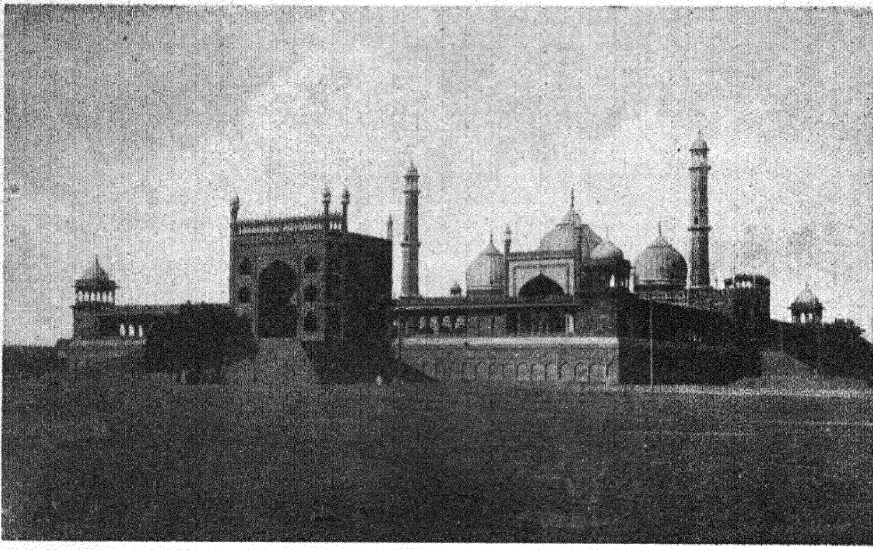
جامع مسجد دہلی
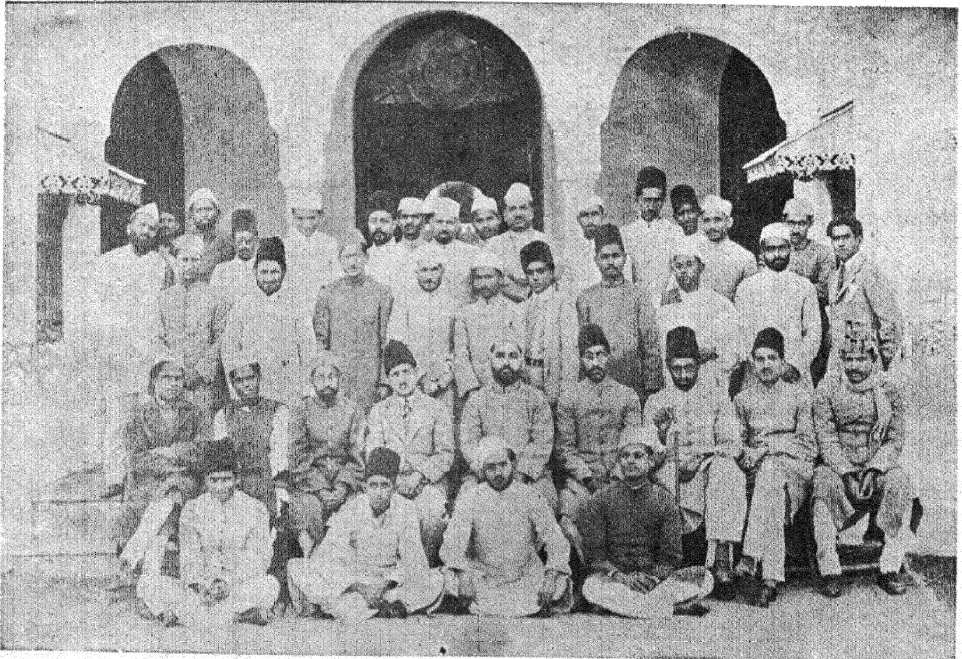
یہ تصویر جامعہ کے اُن پرانے طالب علموں کی ہے جو ملک کے مختلف حصوں سے سنگ بنیاد کی تقریب میں شرکت کے لئے آئے تھے ۔
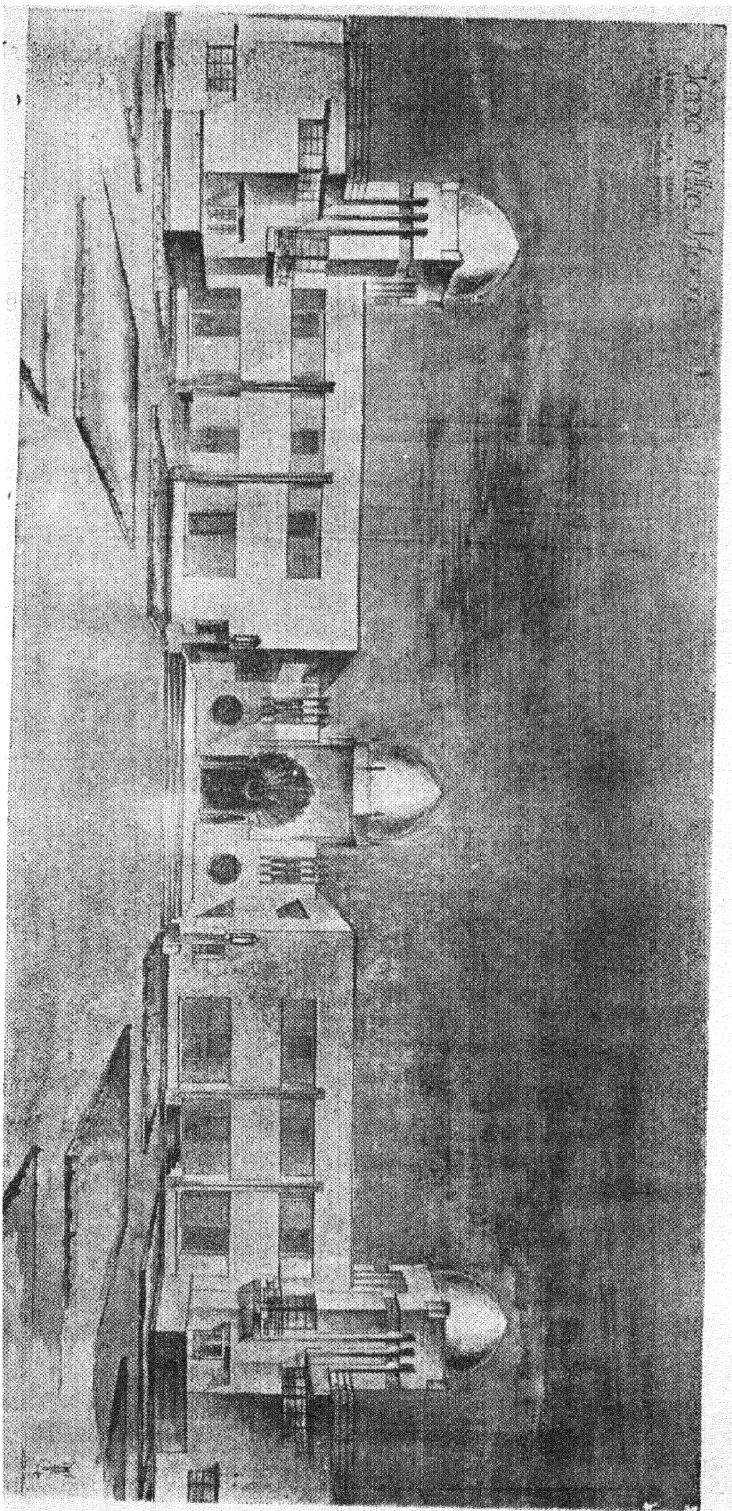
جامعہ کے ایک دارالاقامہ (بورڈنگ ہاؤس) کا نقشہ

میں لگے رہے اور لاکھوں روپیہ ان کی مزدوری پر خرچ ہوا۔ ہر قسم کا پتھر بہت سے راجاؤں اور نوابوں نے بادشاہ کی نذر کیا تھا۔ مسجد میں زیادہ تر لال پتھر لگا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب مسجد بن کر تیار ہوئی تو عید بالکل قریب تھی۔ بادشاہ نے فرمایا کہ ہم عید کی نماز یہیں پڑھیں گے اس پر وزیر بہت گھبرائے کیوں کہ ہزاروں من ملبہ[۵۱] پڑا ہوا تھا۔ بادشاہ کو جب یہ معلوم ہوا تو حکم دے دیا کہ جو چیز جس کے ہاتھ لگے اُٹھالے جائے۔ پھر کیا تھا چاروں طرف سے لوگ دوڑ پڑے۔ اور دیکھتے دیکھتے سارا ملبہ اُٹھ گیا۔ مسجد صاف ہوگئی فوراً فرش فروش۔ شیشہ آلات سے مسجد کو سجا کر دلہن بنا دیا گیا پھر سارے شہر نے اپنے بادشاہ کے ساتھ اس مسجد میں عید کی نماز پڑھی اور خوب خوشی منائی۔

جامع مسجد خوب صورت تو ہے ہی لیکن اس کی خوب صورتی اس وجہ سے اور زیادہ نکھر گئی ہے کہ اس کی کرسی بہت اونچی ہے۔ کرسی کی اونچائی کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ مسجد کے پورب۔ دکھن اور اُتر کی طرف ایک ایک بڑا پھاٹک ہے اور اس پھاٹک تک پہنچنے کے لئے تیس چالیس سیڑھیاں چڑھنا پڑتی ہیں۔ یہ سیڑھیاں بہت لمبی اور کافی چوڑی ہیں۔ سب سیڑھیاں مل کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑا بھاری چبوترہ بنا ہوا ہے۔ ان سیڑھیوں پر ہر قسم کے سینکڑوں دکان دار بیٹھتے ہیں اور شام کے وقت یہاں بڑی رونق ہوتی ہے اندر مسجد کا صحن بہت وسیع ہے اور بیچوں بیچ میں وضو کرنے کے لئے بڑا سا حوض بنا ہے۔ سامنے تو مسجد کا اصل دوہرا دالان ہے اور باقی تین طرف اکہرے دالان ہیں جن کے در دو طرفہ کھلے ہوئے ہیں۔ ان دالانوں کے بیچ میں تینوں طرف تین بڑے بڑے پھاٹک ہیں جن کی عمارت بھی بہت خوب صورت ہے۔ اتر اور دکھن کے پھاٹک تو ہمیشہ کھلے رہتے ہیں لیکن

[۵۱] مٹی، پتھر، لکڑی وغیرہ۔

پورب کی طرف کا پھاٹک جس کا رخ لال قلعہ کی طرف ہے عام طور پر بند رہتا ہے۔ اسی پھاٹک سے بادشاہ داخل ہوتے تھے۔

مسجد کے اصل دالان کی چھت بہت اونچی ہے اور محرابیں خوب بڑی بڑی ہیں۔ اندر کا فرش سفید پتھر کا ہے اور کالے پتھر سے مصلے کے نقشے بنائے گئے ہیں۔ بس ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بڑے خوب صورت ریشمی مصلے بچھے ہوئے ہیں خاص دالان کے اوپر تین بڑے بڑے نارنگی کی شکل کے گنبد ہیں اور ان کی بناوٹ کمرک کی طرح کی ہے۔ ان میں ایک پٹی لال پتھر کی اور ایک کالے پتھر کی ہے۔ اوپر سنہرے کلس ہیں۔ جس سے یہ اور بھی خوب صورت معلوم ہوتے ہیں دالان کے دونوں طرف دو بڑے اونچے مینار ہیں۔ یہ بھی لال پتھر کے ہیں اور ان میں سفید پتھر کی کھڑی پٹیاں پڑی ہیں۔ ان گنبدوں کے اندر چکر دار زینہ ہے۔ بہت سے لوگ اس پر چڑھ کر ساری دہلی کا نظارہ دیکھتے ہیں ان کے تین کھنڈ ہیں اور ہر کھنڈ کے چاروں طرف کھلا ہوا برآمدہ ہے اور سب سے اوپر بارہ دری کی برجی ہے۔ دالان کی محرابوں پر سفید پتھر پر سیاہ پتھر کے حرفوں سے پرانے زمانہ کی عبارتیں۔ اور قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔

آج کل اس مسجد میں سب سے بڑی نماز الوداع کے دن ہوتی ہے۔ دور دور کے شہروں سے ہزاروں آدمی یہاں نماز پڑھنے آتے ہیں ساری مسجد۔ دالان۔ صحن چھتیں۔ سیڑھیاں سب کھچا کھچ بھر جاتی ہیں۔ اور باہر دور تک میدان میں آدمی ہی آدمی نظر آتا ہے۔ راستہ بند ہو جاتا ہے۔ سڑکوں پر۔ دوکانوں پر۔ غرض کہ آس پاس کی چپہ چپہ زمین پر لوگ نماز پڑھتے ہیں۔ امام صاحب کی آواز سب نمازیوں تک پہنچانے کے لئے بیسیوں مکبر[۵] کھڑے ہوتے ہیں۔ سچ پوچھو تو اس دن جامع مسجد کا لطف دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

---

۵ جب مجمع زیادہ ہوتا ہے اور امام کی آواز دور تک نہیں پہنچ سکتی تو بیچ بیچ میں لوگ کھڑے ہو کر سجدے اور رکوع کے وقت امام کی آواز دہراتے ہیں انھیں کو مکبر کہتے ہیں۔

(پروفیسر عطاء اللہ صاحب ایم اے مسلم یونیورسٹی علی گڈھ)

حمید چلتا چلاتا کئی دن کی پریشانی کے بعد ایک دوسرے ملک کی سرحد پر پہنچا۔ وہاں کا بادشاہ مرچکا تھا اور اس ملک میں دستور تھا کہ بادشاہ کے مرنے پر ایک باز کو چھوڑا کرتے تھے جس شخص کے سر پر وہ باز بیٹھ جاتا وہی بادشاہ بنا لیا جاتا تھا۔

اس ملک کے لوگ دو دن سے باز کو اڑا رہے تھے۔ وہ یا تو کسی درخت پر جا بیٹھتا یا کسی مکان پر کسی شخص کے سر پر نہیں بیٹھتا تھا اگرچہ بہت سے لوگ اپنی پگڑیوں پر گوشت کی بوٹیاں رکھے پھرتے تھے۔ آج جب باز کو چھوڑا گیا تو وہ فوراً حمید کے سر پر آن بیٹھا۔ لوگ نہایت حیران تھے کہ کس طرح ایک خستہ حال پیدل مسافر کو اپنا بادشاہ بنالیں انھوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ باز کو تین مرتبہ چھوڑا جائے چنانچہ جب وہ تینوں مرتبہ حمید ہی کے سر پر بیٹھا تو سب نے متفق ہو کر تسلیم کر لیا کہ یہی لڑکا ہمارا بادشاہ ہوگا۔ اچھا اب حمید نے تو اپنی مراد پالی سعید کا دیکھیں کیا حال ہوا۔

سعید دن بھر کوئی بارہ کوس چلا ایک قلعہ کے قریب آتے شام ہوگئی۔ قلعہ کے باہر بہت سے لوگ پریشانی اور بے سروسامانی کی حالت میں پڑے تھے۔ سعید ان سے ملا اور اس قلعے کے اور خود ان لوگوں کے حالات معلوم کرنے لگا۔ اس کو بتایا گیا کہ قلعہ ایک جادو کی چیز ہے اور اس میں ایک خوبصورت شہزادی رہتی ہے جو شخص قلعہ کی سیر کرنا چاہے اسے دو سو روپیہ روزانہ ادا کرنا ہوتا ہے۔ قلعہ کی مالکہ یہ رقم لے لیتی ہے قلعہ میں جا کر واپس آنے کو کسی کا جی نہیں چاہتا مگر جب روپیہ ختم ہو تو شہزادی دھکے دے کر نکلوا دیتی ہے قلعہ کے باہر سب ایسے ہی نامراد لوگ تھے جو دو سو روپیہ روزانہ لٹا کر اب قلاش بن گئے تھے

مگر قلعہ کا جادو ایسا تھا کہ وہاں سے جا نہیں سکتے تھے اور دھوبی کے کتّے کی طرح اب نہ گھر کے تھے نہ گھاٹ کے۔ یہ سنتے ہی سعید نے سوچا قلعہ ہی کی سیر کریں۔ آیا قلعہ کے دروازہ پر دستک دی اور اندر پہنچا۔ رات تو اُس نے آرام سے بسر کی اور وہاں کی اچھی اچھی چیزیں جی بھر کر دیکھیں۔ صبح سویرے ہی ایک لونڈی پہنچی دو سو روپیہ وصول کیا اور کہا اب آپ تشریف لے جائیے سعید نے چونک کر پوچھا "کیوں"؟ لونڈی نے کہا صاحب یہاں رہنے کی روزانہ فیس دو سو روپیہ ہے آپ اپنی ساری پونجی لٹا چکے۔ سعید نے پوچھا اگر روپیہ نہ ہو اور کوئی یہاں رہنا چاہے۔ لونڈی نے کہا جب روپیہ ادا نہ ہو سکے تو مسافر کو نکال دیا جاتا ہے اگر وہ رہنے پر اصرار کرے تو شام کو قلعہ کے بُرج سے اُس کو سر کے بل نیچے گرا دیا جاتا ہے۔ سعید نے لونڈی سے کہا اچھا تو شہزادی سے کہہ دو جس دن صبح کو میں دو سو روپیہ نہ ادا کروں مجھے قلعہ کے برج پر سے نیچے گرا دیا جائے میں تو جب تک قلعہ کی ہر چیز کو نہ دیکھ لوں جانے کا نہیں"۔

ہر صبح سعید اپنے تکیہ کے نیچے سے خادمہ کو دو سو روپیہ نکال دیا کرتا تھا۔ وہ کئی مہینے اسی طرح قلعہ میں رہا اور دنیا کے سب رنج بھول گیا۔ آخر قلعہ کی شہزادی نے سوچا کہ یہ معاملہ کیا ہے جب اُس نے بھید پا لیا تو چپکے سے ایک رات اُس کے گلے سے وہ تعویذ اتار لیا جس میں پرندے کا دل تھا اور جس کی بدولت صبح کو دو سو روپیہ آ جاتا تھا۔ تعویذ کھول لینے کے بعد شہزادی نے سعید کو بے ہوشی کی دوا پلا کر قلعہ کے باہر پھنکوا دیا۔ صبح میاں سعید جب ہوش میں آئے تو اپنے آپ کو قلعہ کے باہر پایا اور جب تعویذ بھی نہ ملا تو اپنا سر پیٹ کر اور قلعہ والیوں کی جان کو رو کر رہ گئے۔

اب میاں سعید چلتے چلتے کئی منزلیں قلعہ سے آگے نکل آئے۔ سفر بھی کرتے اور محنت مشقت سے پیٹ بھی پالتے۔ پندرہ دن کے بعد وہ ایک شہر کے باہر پہنچا جہاں تین بھائی بیٹھے اپنے باپ کی جائداد تقسیم پر جھگڑ رہے تھے۔ ایک مسافر کو آتے دیکھ کر اُنھوں نے فیصلہ کیا کہ اپنا جھگڑا اس مسافر سے طے کرالیں۔ جب سعید اُن کے قریب پہنچا تو

اُن تینوں میں سے بڑے نے کہا "میاں مسافر ذرا ہمارا جھگڑا چکاتے جائیے۔ یہ تین چیزیں ہمیں باپ کی جائداد سے ملی ہیں۔ اور ہم آپس میں ان کی تقسیم نہیں کر سکے" سعید نے کہا "اچھا بھائی تم تینوں میرا فیصلہ مان لو تو میں ابھی تقسیم کئے دیتا ہوں" سب نے جواب دیا "ہم مان لیں گے" سعید نے کہا "مگر یہ تو معمولی چیزیں ہیں معلوم ہوتا ہے اُن میں کچھ خوبیاں ہیں مجھے سمجھادو تاکہ میں فیصلہ ٹھیک کر سکوں" سب سے بڑے بھائی نے کہا۔ "صاحب یہ جو دری آپ دیکھتے ہیں یہ تو ایسی ہے کہ اگر اس پر کوئی بیٹھ جائے اور کہے مجھے فلاں مقام پر پہنچا دو تو یہ ہوا میں اُٹھے گی۔ اُڑے گی اور جہاں چاہے وہاں پہنچا دے گی۔ اور یہ جو تھیلا آپ دیکھتے ہیں اس میں یہ کرامت ہے کہ اس میں ہاتھ ڈالو اور جو مانگو سو حاضر پاؤ۔ اور یہ جو چھوٹی سی سرمہ دانی آپ دیکھتے ہیں اس میں ایک سرمہ ہے جس کی ایک سلائی جو آنکھوں میں لگائے وہ سب کو دیکھے لیکن خود کسی کو نظر نہ آئے" سعید نے کہا بھائی جبھی تو میں اچنبا تھا یہ تو نہایت عمدہ چیزیں ہیں ان کی تقسیم تو سوچ سمجھ کر کرنی چاہئے میں تو تم سب کا تھوڑا سا امتحان لوں گا اور جو جس چیز کے لایق ہوگا وہی اس کو دوں گا تم سب یہاں سے دوڑو اور وہ جو درخت سامنے کھڑا ہے اس کا پتا توڑ کر لاؤ۔ پہلے آنے والے کو دری۔ دوسرے کو تھیلا اور تیسرے کو سرمہ دانی مل جائے گی۔ مگر یاد رکھو یہ تو صرف تمھاری طاقت اور پھرتی کا امتحان ہے یہ چیزیں اس طرح تقسیم کرنے سے پہلے میں تمھاری عقل اور لیاقت کا امتحان بھی لوں گا۔ اچھا تیار ہو جاؤ۔ اس درخت کا ایک ایک پتا لاؤ۔ ایک۔ دو۔ تین۔

جونہی وہ تینوں بے وقوف درخت کا پتا لانے دوڑے سعید نے سرمہ دانی جیب میں ڈالی تھیلا ہاتھ میں لیا۔ دری بچھا اُس پر بیٹھا اور کہا دو چل شہزادی دلفریب کے قلعہ میں۔ دری ہوا میں بلند ہوئی اور سعید نے اوپر سے پکار کر کہا "ارے بے وقوفو اب نہ دوڑو تم میں سے کسی کو اتنی عقل نہ تھی کہ ان میں سے کسی چیز کا مالک بنتا۔ یہ میرا مال تھا سو لئے جا رہا ہوں" ۔ باقی آیندہ

ہندوستان کے ٹکٹ

(جناب شمیم صاحب جامعی)

کیوں بھائی اب تو تمھارے مرقع (البم) میں بہت سے ٹکٹ جمع ہو گئے ہوں گے۔ اور تمھاری کوششیں بھی دن پر دن بڑھتی جاتی ہوں گی۔ نئے ٹکٹ ملنے پر کتنی خوشی ہوتی ہے۔ اور اگر کچھ دنوں تک نئے ٹکٹ نہیں ملتے تو کیسی مایوسی ہونے لگتی ہے۔ لیکن پھر جب کوئی نیا ٹکٹ ہاتھ آجاتا ہے تو نئے سرے سے جوش تازہ ہو جاتا ہے۔ اور پھر آدمی نئے جوش سے کام کرنے لگتا ہے۔ ہر کام کا یہی دستور ہے۔ ہر مایوسی کے بعد کامیابی اپنا چمکتا دمکتا چہرہ دکھاتی ہے۔ اور اس طرح "کئے جاؤ کوشش مرے دوستو" کا سبق تازہ ہوتا رہتا ہے۔

تم میں سے جن بھائی کے پاس کافی ٹکٹ جمع ہو گئے ہوں گے ان کو خوب لطف آتا ہوگا اور وہ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ شغل کتنا دلچسپ ہے اور اس میں کیسی تفریح ہوتی ہے۔ لیکن جن لوگوں کو زیادہ کامیابی نہیں ہوئی ہے انھیں بھی ناامید نہ ہونا چاہیے۔ فوراً ہی بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو جانے سے وہ لطف نہیں آتا۔ جو آہستہ آہستہ جمع کرنے سے آتا ہے اس لئے ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں کوشش کئے جاؤ آگے چل کر اللہ نے چاہا تو تمھیں ضرور کامیابی ہوگی۔

آج ٹکٹوں کی تعداد بڑھانے کی ایک نئی ترکیب بتاتے ہیں اس کو ٹکٹوں کا مبادلہ کہتے ہیں۔ مبادلہ کے معنی ہیں ایک چیز کے بدلے میں دوسری چیز لینا۔ ٹکٹوں کا مبادلہ اس طرح ہوتا ہے کہ فرض کرو دو ٹکٹ جمع کرنے والے ایک جگہ ہیں ایک کے پاس جو ٹکٹ زیادہ ہیں وہ دوسرے کے پاس بالکل نہیں۔ اور دوسرے کے پاس جو ٹکٹ زیادہ ہیں وہ پہلے کے مرقع میں نہیں اب

دونوں آدمی ایک دوسرے سے ٹکٹ بدل لیتے ہیں۔ اس طرح دونوں کا کام بن جاتا ہے اور زائد ٹکٹ کارآمد ہو جاتے ہیں۔ ٹکٹوں کی تعداد بڑھانے کی یہ بہترین ترکیب ہے اس طرح بغیر خرچ کے ٹکٹ ملتے رہتے ہیں۔

لیکن دو ٹکٹ جمع کرنے والوں کا ایک جگہ یا ایک ساتھ رہنا ہمیشہ تو ممکن نہیں ۔ اس لئے اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ خط کتابت کے ذریعے ٹکٹ کا مبادلہ کیا جائے اور وہ اس طرح کہ جو لوگ ٹکٹ کا مبادلہ کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنا پتہ پیام تعلیم کے ایڈیٹر صاحب کے پاس بھیج دیں ایڈیٹر صاحب ان کے پتے پیام تعلیم میں شائع کردیں گے اور ٹکٹ جمع کرنے والے ان پتوں کی ذریعہ خط کتابت کرکے ٹکٹوں کا مبادلہ کرتے رہیں گے۔ پتہ شائع کرانے والے ان باتوں کا خیال رکھیں۔

۱۔ خط کا جواب جلد اور پابندی کے ساتھ دیں۔

۲۔ خط پر پورے ٹکٹ لگائیں تاکہ بیرنگ نہ ہونے پائے۔

۳۔ نہایت ایمانداری سے کام لیں اور قیمتی ٹکٹوں کے بدلے۔ میلے ردی اور معمولی ٹکٹ نہ بھیجیں۔ کہیں سے ٹکٹ منگا کر خاموش نہ ہو جائیں اس کا بھی خیال رکھیں کہ بغیر طلب کئے کسی کے پاس ٹکٹ نہ بھیجیں۔

میں کسی ایسی ریاست کے رہنے والوں سے ٹکٹوں کا مبادلہ کرنا چاہتا ہوں۔ جن کے یہاں اپنا ٹکٹ استعمال ہوتا ہے یا انگریزی ٹکٹ پر ان کی ریاست کا نام چھپا ہوتا ہے۔ میں پچاس ٹکٹوں کے بدلے میں پچاس ہندوستان سے باہر کے ملکوں کے ٹکٹ دوں گا۔ صرف نئے جمع کرنے والے خط کتابت کریں اور جہاں تک ممکن ہو مختلف قیمتوں کے ٹکٹ روانہ کریں میں بھی ان کے بدلے میں انھیں مختلف قیمتوں کے ٹکٹ بھیجوں گا[1]

میں نے پچھلے مضمون میں ہندوستان کے ٹکٹوں کی بہت سی قسموں کا ذکر کیا تھا۔ لیکن وہ فہرست پوری نہیں ہوئی تھی اور میں نے وعدہ کیا تھا

---

[1] میرا پتہ یہ ہے :۔ شمیم جامعی ۔ ڈاکخانہ دسنہ ضلع پٹنہ ۔

کہ آیندہ اور قسمیں بتاؤں گا۔ آج وہ بھی سن لو

ہندوستان کا نقشہ تو تم نے ضرور دیکھا ہوگا۔ نہ دیکھا ہو تو کسی سے لے کر دیکھ لو۔ یہ بہت بڑا ملک ہے اور قریب قریب سارا حصہ انگریزوں کی حکومت میں ہے لیکن کچھ تھوڑی سی جگہ فرانسیسیوں کے قبضے میں بھی ہے اور کچھ حصہ پر پرتگیزوں کی بھی حکومت ہے۔

جو حصہ انگریزوں کے قبضے میں ہے اس کے بھی دو حصے ہیں ایک تو وہ ہے جس پر انگریز افسر حکومت کرتے ہیں اسے برطانوی ہند کہتے ہیں یہاں ڈاک کے جو ٹکٹ رائج ہیں۔ ان کو برطانوی ہند کے ٹکٹ کہتے ہیں۔ یہ وہی ہیں جن پر بادشاہ کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ اور "انڈیا پوسٹیج" لکھا ہوا ہے ان کی قسمیں پچھلے پرچے میں بتائی جا چکی ہیں۔

دوسرا حصہ ریاستوں کا ہے ان پر کوئی نواب یا مہاراجہ حکومت کرتا ہے۔ اور انگریزی حکومت کو سالانہ رقم ادا کرتا ہے۔ یہ ریاستیں ہندوستان میں بہت سی ہیں۔ اب ان کی پھر دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم تو بڑی ریاستوں کی ہے۔ جیسے ریاست حیدرآباد، کشمیر، میسور، ٹراونکور، بڑودہ، کوچین وغیرہ۔ ان بڑی ریاستوں میں سے بعض اپنے یہاں ٹکٹ تیار کرتی ہیں جو انگریزی ٹکٹوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں یہ ریاست کے اندر چل سکتے ہیں، ریاست کے باہر کہیں خط بھیجنا ہوتا ہے تو انگریزی یعنی برطانوی ہند کے ٹکٹ لگانے پڑتے ہیں ایسی ریاستیں ہندوستان میں کافی ہیں خصوصاً راجپوتانہ اور وسط ہند میں لیکن ان کے یہاں صفائی کا خیال نہیں کیا جاتا۔ نہایت معمولی کاغذ پر ٹکٹ چھاپے جاتے ہیں۔ مگر تعداد میں کم چھپتے ہیں اس لئے مشکل سے ملتے ہیں اور اسی لئے ٹکٹ جمع کرنے والوں کے یہاں ان کی بہت مانگ ہوتی ہے۔ اگرچہ ہندوستان سے باہر کے ٹکٹ جمع کرنے والے اس قسم کے ٹکٹوں کو کچھ ایسا زیادہ پسند نہیں کرتے۔

ان میں سے بعض ریاستیں اپنے ٹکٹ استعمال نہیں کرتیں اور بعض نے اب چھوڑ دیا ہے۔ وہ بس اب انگریزی ڈاک خانہ کے ٹکٹوں پر اپنی ریاست کا نام چھاپ دیتی ہیں۔ ایسے ٹکٹ

ریاست سے باہر انگریزی علاقے میں بھی بھیجے
جا سکتے ہیں۔ لیکن انگریزی علاقے سے ریاست
میں نہیں بھیجے جا سکتے۔

ریاستوں کی دوسری قسم وہ چھوٹی چھوٹی
ریاستیں ہیں جو ہندوستان میں بے شمار ہیں۔
ان میں سے بھی بعض انگریزی ڈاک خانہ کے
ٹکٹوں پر اپنی ریاست کا نام چھاپ دیتی ہیں جیسے
ریاست چمبہ وغیرہ۔

نیچے ہم ان تمام ریاستوں کا ذکر کرتے ہیں
جو یا تو خود اپنے ٹکٹ تیار کرتی ہیں یا انگریزی ڈاک
خانہ کے ٹکٹ پر اپنی ریاست کا نام چھاپ دیتی
ہیں۔ ان کے نام الف۔ با۔ کی ترتیب سے
لکھے گئے ہیں۔

۱۔ اروچہ:۔ یہ ریاست وسط ہند میں ہے یہاں
سنہ ۱۹۱۳ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

۲۔ الور:۔ یہ راجپوتانے کی ایک مشہور ریاست ہے
اس کا دار الحکومت شہر الور ہے۔ یہاں سنہ ۱۸۷۷ء
سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

۳۔ اندور:۔ یہ وسط ہند کی مشہور ریاست ہے
یہاں سنہ ۱۸۸۶ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

۴۔ بامڑہ:۔ یہ بھی ایک چھوٹی ریاست ہے
یہاں سنہ ۱۸۸۸ء سے سنہ ۱۸۹۴ء تک اپنے
ٹکٹ چلتے رہے۔

۵۔ بروانی:۔ یہ وسط ہند کی ایک چھوٹی سی ریاست
ہے یہاں سنہ ۱۹۲۱ء میں اپنے ٹکٹ جاری
ہوئے تھے۔

۶۔ بُشہر:۔ یہ پنجاب کی پہاڑی ریاست ہے
یہاں سنہ ۱۸۹۶ء سے مارچ سنہ ۱۹۰۱ء تک اپنے
ٹکٹ جاری رہے۔

۷۔ بوندی:۔ یہ راجپوتانہ کی ریاست ہے یہاں
سنہ ۱۸۹۴ء سے اپنے ٹکٹ جاری تھے سنہ ۱۹۰۲ء
میں بند ہو گئے اب سنہ ۱۹۱۵ء سے پھر جاری ہوئے
ہیں۔

۸۔ بھوپال:۔ یہ وسط ہند کی مشہور ریاست ہے
اس کے والی آج کل نواب حمید اللہ خاں صاحب
ہیں یہاں سنہ ۱۸۷۶ء سے اپنے ٹکٹ جاری
تھے لیکن اب بند ہو گئے ہیں۔ اگر کوئی بھوپالی
بھائی یہاں کے کچھ ٹکٹ تلاش کر کے بھیج دیں گے

تو میں ممنون ہوں گا۔

۹۔ بھور:۔ یہ صوبہ بمبئی میں ستارا ایجنسی کے ماتحت ایک چھوٹی ریاست ہے۔ یہاں ۱۸۷۹ء سے ۱۹۰۱ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔

۱۰۔ پٹیالہ:۔ یہ پنجاب کی مشہور ریاست ہے یہاں سب سے پہلے ۱۸۸۴ء میں اپنے ٹکٹ جاری ہوئے۔ لیکن اب انگریزی ٹکٹ پہ پٹیالہ اسٹیٹ لکھا رہتا ہے۔

۱۱۔ پونچھ:۔ یہ آزاد ریاست، بھوٹان کا ایک ضلع ہے یہاں ۱۸۷۶ء سے ۱۸۹۴ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے تھے۔

۱۲۔ ٹراونکور:۔ یہ جنوبی ہند کی مشہور ریاست ہے یہاں ۱۸۸۸ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں

یہاں کے بعض سکوں کے نام بہت دلچسپ ہیں مثلاً

۱۶۔ کیش = ۱۔ چکرام

۱۶۔ چکرام = ایک روپیہ

۱۳۔ جیند:۔ یہ پنجاب کی ریاست ہے یہاں ۱۸۷۴ء سے ۱۸۸۵ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔ اس کے بعد سے انگریزی ٹکٹ پر ریاست کا نام ہوتا ہے۔

۱۳۔ جھالاواڑ:۔ یہ راجپوتانہ کی ایک ریاست ہے یہاں ۱۸۸۷ء سے ۱۹۰۰ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔

۱۴۔ جے پور:۔ یہ راجپوتانہ کی مشہور ریاست ہے یہاں ۱۹۰۴ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

تم کہیں پڑھتے پڑھتے اکتا نہ گئے ہو اچھا تو اب باقی ریاستوں کے نام اگلے پرچے میں لکھیں گے۔

لطیفہ

گوپال:۔ رام کل جو تم نے مجھ سے روپیہ لیا تھا وہ کب واپس کروگے

رام:۔ جناب مجھے نہیں معلوم۔ میں کوئی نجومی نہیں ہوں کہ میں آپ کو کل کی بات بتادوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام

اختر آرا بیگم صاحبہ شمیم گوردھا ہاؤس
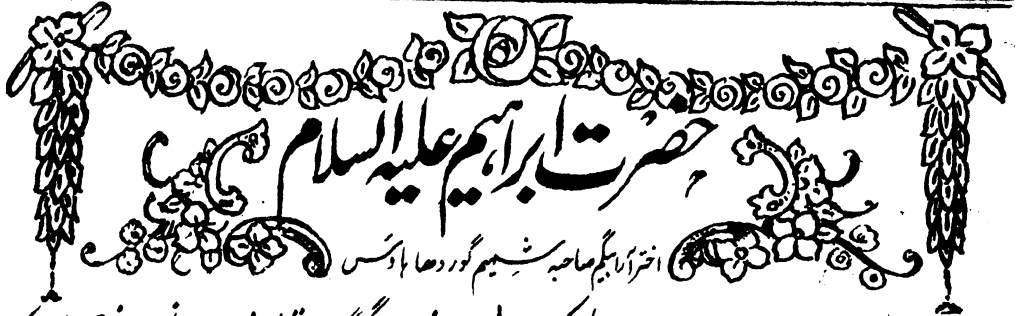
حضرت ابراہیم علیہ السلام (ان پر اللہ کی سلامتی ہو) کا نام تو تم نے ضرور سنا ہوگا یہ بہت بڑے پیغمبر گذرے ہیں۔ مکے میں جو خانہ کعبہ ہے اُسے ان ہی نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر بنایا ہے۔ ہر سال مسلمان ہزاروں کی تعداد میں حج کرنے اور اس خانہ کعبہ کی زیارت کرنے مکہ جاتے ہیں۔

یہ جس زمانے میں پیدا ہوئے لوگ بتوں کو پوجتے تھے ان کے باپ بھی بہت بڑے پجاری تھے۔

بعض بچوں میں چھٹپن سے سوچنے اور چیزوں پر غور کرنے کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اور یہ تو تم جانو پیغمبر ہونے والے تھے اس لئے انھیں اور بھی چیزوں کے جاننے پہچاننے کی کرید رہتی تھی ایک دفعہ کیا ہوا کہ انھوں نے ایک ستارہ دیکھا جو خوب جگمگا رہا تھا انھوں نے اپنے جی میں کہا کہ ہو نہو یہی میرا خدا ہے مگر ارے یہ تو چھپ گیا چھپ جانے والی چیز خدا نہیں ہوسکتی۔ پھر چاند نظر آیا۔ انھیں خیال آیا کہ یہی خدا ہوگا۔ مگر یہ لیجئے آخر وہ بھی غائب ہوگیا۔ غائب ہو جانے والی چیز خدا نہیں ہوسکتی۔ اس کے بعد سورج نکلا، یہ سب سے بڑا تھا آخر اس نے بھی دن بھر روشنی پہنچانے کے بعد اپنا منھ چھپالیا۔ اب انھیں یقین آگیا کہ ان میں سے کوئی چیز خدا نہیں ہوسکتی۔ خدا تو وہی ہے جس نے اس زمین، آسمان۔ چاند، سورج ستاروں غرض ساری دنیا کو پیدا کیا ہے۔ اب انھوں نے اپنی قوم کو بھی یہی بات بتائی۔ مگر توبہ کرو وہ تو ضدی لوگ تھے کسی نے ان کی نہیں سنی باپ تک دشمن ہوگئے مگر یہ بھی اپنی سچائی پر قائم رہے۔ کوئی مانے نہ مانے انھیں سچی بات بتلانے

اور سیدھا راستہ دکھانے سے کام۔ ایک دفعہ کیا ہوا کہ تمام لوگ کوئی تیوہار منانے شہر سے باہر چلے گئے۔ انھیں جو موقع ملا تو سارے بتوں کو توڑ پھوڑ برابر کر دیا۔ جب لوگ لوٹ کے آئے تو بہت چکرائے لیکن آخر سمجھ گئے کہ ہو نہو یہ ابراہیم کی حرکت ہے۔ بلایا اور کہا کہ یہ تمھارا ہی کام معلوم ہوتا ہے انھوں نے جواب دیا کہ اپنے انھیں بتوں سے پوچھو۔ وہ لوگ لاجواب تو ہو گئے مگر کھسیانے ہو کر بولے یہ تو تمھیں معلوم ہے کہ یہ بولا نہیں کرتے حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تو پھر ایسی چیزوں کے پوجنے سے کیا حاصل جو نہ اپنے کو فائدہ پہنچا سکیں نہ غیروں کو تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جنھیں تم ایک اکیلے اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہو۔ یہ سن کر ان لوگوں کو اور بھی طیش آیا اور سب نے کہا کہ انھیں آگ میں ڈال دو مگر تم نے وہ مثل سنی ہوگی کہ جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے تو بس اللہ کے حکم سے آگ نے اُن پر ذرا بھی اثر نہ کیا اور اللہ کا یہ بندہ اس آگ میں سے صحیح سلامت نکل آیا۔ مگر چونکہ ان لوگوں نے اپنی طرف سے انھیں۔ نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی اس لئے وہ اللہ کے حکم سے یہاں سے چلے گئے اور ایسے ملک میں داخل ہو گئے جہاں اللہ تعالےٰ نے ان کے لئے ہر قسم کی برکتیں رکھی تھیں اک دفعہ ایک بادشاہ نے بھی اُن کو بلا کر بحث کی اسے اپنی حکومت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ مگر وہ تو تم جانو پیغمبر تھے انھوں نے اسے ایسے جواب دیئے کہ کچھ کہتے سنتے بن نہ پڑا اور لاجواب ہو گیا کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ نمرود تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت دنوں تک اپنے اللہ کا دین لوگوں میں پھیلاتے رہے بڑھاپے میں اللہ نے انھیں دو اولادیں دیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا۔ وہ خواب انھوں نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے بیان کیا اور فرمایا کہ اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں

کہو تمھارا کیا خیال ہے ۔ سعادت مند اور نیک بیٹے کو یقین ہو گیا کہ یہ اللہ کا حکم ہے انھوں نے کہا کہ آپ کو جو حکم ہوا ہے اُسے پورا کیجئے، غرض باپ اور بیٹے دونوں اللہ کے حکم پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے ۔ اللہ میاں کو ان کی یہ بات بہت پسند آئی ۔ اور حضرت ابراہیم سے کہا کہ تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا اس سے ہمیں بڑی خوشی ہوئی ہم تمھیں بڑے مرتبے دیں گے ۔ اس کے بعد انھیں حکم ہوا کہ مکے میں جا کر اللہ کا گھر بنائیں ۔ چنانچہ باپ بیٹوں نے مل کر مکے میں جہاں ہمارے رسول ؐ پیدا ہوئے تھے یہ گھر بنایا ۔ یہی گھر ہے جو خانہ کعبہ کے نام سے مشہور ہے ۔

حضرت ابراہیم ؑ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں اور پوتوں کو وصیت کی کہ اللہ نے تمھارے لئے دین اسلام پسند کیا ہے ۔ اس لئے تم مسلمان ہی رہنا اور اسی پر جان دینا ۔

اللہ نے آپ کی اولاد میں یہ برکت عطا فرمائی کہ ان میں سے اکثر کو نبی کیا ہمارے رسول حضرت محمد ؐ صلی اللہ علیہ وسلم (اللہ کا درود و سلام ان پر) بھی انھیں کی اولاد میں ہیں اسی لئے ہمارا دین اسلام دین ابراہیمی بھی کہلاتا ہے ۔ کعبہ کا حج ۔ بقر عید کی قربانی ۔ اور دوسرے بہت سے مذہبی طریقے جن پر مسلمان عمل کرتے ہیں اصل میں حضرت ابراہیم ؑ ہی کی سنت ہیں ۔ انھیں طریقوں کو ہمارے رسول نے دوبارہ صحیح طور پر جاری فرمایا ۔

لطیفہ

استاد :۔ ایک سال میں کتنے موسم ہوتے ہیں

شاگرد :۔ جناب دو

استاد :۔ اچھا ! دو !! وہ کیسے ؟

شاگرد :۔ ایک کرکٹ کا موسم اور ایک فٹ بال کا

آخری فتح

(از جناب اقبال الدین احمد صاحب صدیقی رڑول ضلع میرٹھ)

نادر اور حشمت کی لڑائی بھی عجیب دلچسپ لڑائی تھی اور پھر اُس کا اُمید کے خلاف انجام تو ماسٹر نصیر کے شاگردوں کو ہمیشہ یاد رہے گا۔ بات یہ تھی کہ حشمت سب سے زیادہ خاموش، سست اور بدصورت لڑکا۔ اور تھا بھی غریب۔ اُس کا باپ معمولی دکان دار تھا اور بساطی کی دکان کرتا تھا۔ وہ ماہوار فیس کی جگہ ہر مہینہ ماسٹر صاحب کو چار، موم بتیاں، اور صابن وغیرہ دیا کرتا تھا۔

یہ بات لڑکوں کو کچھ عجیب معلوم ہوتی تھی اور وہ اس وجہ سے بے چارے حشمت کا اور بھی مذاق اُڑاتے تھے۔ اس کے خلاف نادر ماسٹر نصیر کے تمام شاگردوں کا سردار مانا جاتا تھا وہ اچھے اچھے کپڑے پہنتا تھا۔ اس کے پاس ایک سنہری گھڑی تھی، بڑے اچھے فل بوٹ تھے اور وہ ڈرامے میں بہت اچھا کام کرتا تھا۔ اسکول میں جب ڈراما ہوتا تھا تو سب سے مشکل کام اُسی کو دیا جاتا تھا۔ اور وہ بڑی خوبی سے اُسے انجام دیتا تھا۔

سنتے ہیں ماسٹر نصیر بھی اس کا بہت لحاظ کرتے تھے یوں سمجھو کہ نادر اسکول کا بادشاہ تھا۔ لڑکوں پر اس کی حکومت تھی۔ وہ ان بے چاروں سے زبردستی طرح طرح کے کام لیتا جو نہ کرتا اسے مارتا پیٹتا حشمت سے تو اُسے سخت نفرت تھی وہ کبھی اسے بُرا بھلا کہتا اور کبھی اس کا منہ چڑاتا۔

ایک دن چھٹی کے بعد نادر اسکول کے میدان میں گیند بلا (کرکٹ) کھیل رہا تھا پاس ہی حشمت ایک درخت کے نیچے بیٹھا الف لیلہ کے مزے مزے کے قصے پڑھ رہا تھا اتنے میں اُسے ایک بچہ کے رونے کی آواز آئی اور وہ چونک پڑا اس نے سر اٹھا کر دیکھا تو نادر ایک چھوٹے لڑکے کی مرمت کر رہا تھا۔ اور ایک زرد رنگ کا وکٹ گھما کر کہہ رہا تھا

"بتاؤ تمھیں بوتل توڑنے کی کیسے ہمت ہوئی" بات یہ تھی کہ اس لڑکے کو حکم دیا گیا تھا کہ آدھے میل پر جو دکان ہے وہاں سے شربت اُدھار لے آئے۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو اتفاق سے میدان کی دیوار پر چڑھتے وقت بوتل اُس کے ہاتھ سے ٹوٹ کر گر گئی۔ بے چارے کا پاجامہ بھی خراب ہو گیا۔ اور اب وہ ایک مجرم کی صورت بنائے نادر کے سامنے کھڑا تھا۔ نادر اُس سے بڑے غصہ سے کہہ رہا تھا۔ "میں جانتا ہوں بوتل کیسے ٹوٹی ہے۔ تم نے شربت خود پی لیا ہے اور اب بوتل ٹوٹنے کا دھوکا دیتے ہو۔ تم چور ہو ہاتھ پھیلاؤ" وکٹ بڑے زور سے اُس غریب بچے کے ہاتھ پر پڑا اور وہ بلبلا اٹھا اب حشمت کتاب رکھ فوراً کھڑا ہو گیا اور چلا کر بولا۔ "دیکھو نادر اس بچے کو مت مارو ورنہ ------" نادر (از تعجب سے) "تم کیا کر لو گے"

یہ کہہ کر اس نے پھر بچے سے اُسی تیزی سے حکم دیا کہ "ہاتھ پھیلاؤ"

اب کے حشمت نے بھی ذرا تیزی سے کہا۔ میں تمھیں ایسا دھکا دوں گا کہ عمر بھر کسی نے نہ دیا ہو گا" چھوٹا لڑکا احسان مندی کی نظر سے حشمت کو دیکھنے لگا۔

نادر کو ابھی تک حیرت تھی کہ یہ کیا کہہ رہا ہے اُس نے حشمت سے کہا۔ اچھا تم ذرا اپنے دوستوں کے سامنے اپنا وصیت نامہ لکھوا لو۔ آج ہماری تمھاری لڑائی ہو گی"۔ حشمت نے بہت متانت سے جواب دیا۔ "جیسی تمھاری مرضی"

لیجئے صاحب یہ مشہور لڑائی آخر کار شروع ہو گئی۔ لڑائی سے پہلے نادر نے اپنے چہرے پہ مسکراہٹ ظاہر کی اور بڑی آسانی اور پھرتی سے حشمت غریب پر گھونسوں کا مینہ برسا دیا۔ اس نے تین مرتبہ حشمت کو گرا دیا۔ ہر مرتبہ جب حشمت گرتا تھا تو خوشی کا نعرہ بلند ہوتا تھا نادر، حشمت کو حملہ کرنے کا موقع ہی نہ دیتا تھا۔ مگر تیسری بار گرنے کے بعد حشمت نے فیصلہ کیا کہ اب اُسے خود حملہ کرنا چاہئے۔ اس کا داہنا ہاتھ بے کار تھا اس لئے اس نے اُلٹے ہاتھ سے نادر کے گھونسے مارنے شروع کئے۔ کبھی تو وہ اس کی بڑی بڑی آنکھوں پر مارتا تھا اور کبھی اس کی خوب صورت

ناک پر۔ اس مرتبہ لڑکوں کو بڑا ہی تعجب ہوا۔ کیوں کہ ان کا سردار گر پڑا تھا۔ حشمت کے اُلٹے ہاتھ نے واقعی خوب کام کیا۔ اُس نے نادر کو چھ بار زمین پر گرایا۔ اور جس طرح حشمت کے گرنے پر لڑکے خوش ہوتے تھے اسی طرح اب وہ نادر کے گرنے پر خوشی کے نعرے لگاتے تھے نادر کے چہرے پر غصہ اور جھلاہٹ ظاہر ہونے لگی تھی مگر حشمت بالکل خاموش اور مطمئن تھا۔ اور اب کے اس نے نادر کی ناک پر ایسا گھونسہ مارا کہ وہ گرنے کے بعد پھر نہ اُٹھ سکا یا شاید اس نے اب حشمت کا مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس مرتبہ لڑکوں نے اس زور کا نعرہ لگایا کہ ماسٹر نصیر صاحب کو جو اپنے کمرے میں کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ناگوار معلوم ہوا۔ اُنھوں نے باہر آکر دیکھا تو لڑائی کا بازار گرم تھا حشمت سے انھیں بھی کچھ نفرت سی تھی انھیں جب معلوم ہوا کہ حشمت نے نادر کو اس طرح مارا ہے تو اُسے سزا دینے پر آمادہ ہوگئے۔ مگر اس وقت نادر نے واقعی بڑی شرافت سے کام لیا۔ وہ اپنے زخم دھو رہا تھا مگر ماسٹر صاحب کی بات سنتے ہی کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا۔ ”ماسٹر صاحب حشمت نے میرے ساتھ بالکل ٹھیک سلوک کیا ہے اس لئے کہ میں ایک لڑکے کو مار رہا تھا“ یہ کہہ کر اتنا ہی نہیں کہ اس نے حشمت کو سزا سے بچا لیا بلکہ وہ کھوئی ہوئی عزت بھی حاصل کرلی جو ہار جانے کی وجہ سے لڑکوں کے دل سے نکل گئی تھی۔

اس شاندار فتح کی وجہ سے ماسٹر نصیر کے شاگرد میاں حشمت کا نام بھی اُسی عزت سے لیتے ہیں جس عزت سے کہ خوب صورت اور شریر نادر کا۔

(انگریزی کہانی کا ترجمہ)

لطیفہ

استاد: (لڑکوں سے) اُستاد کو ہمیشہ اپنا باپ سمجھو۔

ایک لڑکا:۔ مگر ماسٹر صاحب میرے ابا تو مجھے روز دو آنے پیسے دیتے ہیں۔

بسنت کی بہار
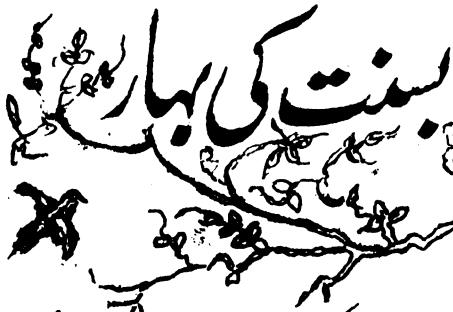
بسنت رُت میں ایک دن ہم آئے ایک کھیت پر
بہت سے کھیت اور بھی قریب ہیں اِدھر اُدھر

برس کے کھُل چکا ہے مینہ، زمیں پہ ہے ابھی تری
عجب سماں دکھا رہی ہیں، کھیتیاں ہری بھری

زمیں پہ سبز مخملوں کے فرش سے بچھے ہوئے
اور ان میں زرد زرد پھول ہر طرف کھلے ہوئے

کہیں مٹر کے کھیت ہیں، کہیں ہیں جَو کہیں چنے
یہ دانے ننھے ننھے سے، بتاؤ کس طرح بنے

ہیں زرد پھول شلغموں کے، اِک طرف کھلے ہوئے
سفید مولیوں کے پھول انھیں میں ہیں ملے ہوئے

یہ سرسوں پھول پھول کر دکھا رہی ہے کیا بہار
زمین نے پہن کے پھول، کر لیا عجب سنگھار

ہیں سبز سبز پتیوں پہ قطرے اوس کے پڑے
بہار دے رہے ہیں موتیوں کی طرح سے جڑے

یہ دیکھ کر کہ ہر طرف بہار ہی بہار ہے
کھلے خوشی سے سب کے دل بسنت کی پکار ہے

ہیں پیلی پیلی پگڑیاں، ہیں ساریاں رنگی ہوئی
اور ان پہ رنگ رنگ کی کناریاں ٹکی ہوئی

ہر اک بشر کے اِس گھڑی زباں پہ بار بار ہے
بسنت کی بہار ہے، بسنت کی بہار ہے

اہم اعلان

خوشی کی بات ہے کہ پیام تعلیم کے نئے خریدار دن پر دن بڑھ رہے ہیں پھر بھی ان کی رفتار اتنی تیز نہیں ہے جتنی کہ ہم چاہتے ہیں اس لئے ہم اعلان کرتے ہیں کہ پیامی بھائیوں میں سے جو صاحب ایک مہینے میں پیام تعلیم کا ایک خریدار دیں گے انھیں جناب سعید انصاری صاحب کی کتاب بچوں کے اسماعیل انعام میں دی جائے گی۔ علاوہ اس کے جو صاحب مہینے میں سب سے زیادہ خریدار دیں گے انھیں پانچ روپے کی کتابیں دی جائیں گی۔ سب سے زیادہ سے مراد یہ ہے کہ تین سے زیادہ ہوں۔ صرف تین خریدار دینے والے بھائی اس مقابلے میں شریک نہ ہو سکیں گے۔ ہمیں امید ہے کہ اس اعلان کو دیکھتے ہی سب بچے اپنی اپنی کوششوں میں لگ جائیں گے۔ دیکھیں کون اس مقابلے میں اول آتا ہے ؛

(مینجر)

بچوں کی کوششیں

جنوری کے پرچے میں ہم نے بچوں کی کوششوں کے عنوان سے ایک بچے کا مضمون چھاپا تھا ہمارے بزرگوں نے اسے پسند کیا ہے۔ اور اس کے لئے ایک بہت اچھی تجویز پیش کی ہی تجویز یہ ہی کہ جن بچوں کے مضمون دفتر میں آئیں ان سب کے نام شائع کئے جائیں۔ جس بچے کا مضمون سب سی اچھا ہو اُسے پانچ روپیے کی کتابیں انعام میں دی جائیں۔ ہمارے ان بزرگوں نے اپنی طرف سے انعام دینے کا بھی وعدہ کیا ہی۔ چنانچہ اپریل کے مہینے ہمارے شیخ الجامعہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب۔ ایم، اے پی ایچ ڈی نے ہمیں اعلان کرنے کی اجازت دی ہے۔ امید ہے کہ چھوٹے بچے بہت جلد اپنے اپنے مضمون بھیجنا شروع کر دیں گے تاکہ انعامات کا یہ دلچسپ سلسلہ اگلے مہینے سے ہی شروع کر دیا جائے۔

(ایڈیٹر)

جناب اڈیٹر صاحب تسلیم۔

جنوری کے انوکھے عدد والا مضمون پڑھ کر دل اتنا خوش ہوا کہ میں بیان نہیں کرسکتا۔ میں آپ کے ماہر تعلیم صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی مہربانی سے ہمیں ایسا اچھا مضمون پڑھنے کو ملا آپ ہمیشہ ایسے اچھے اچھے مضمون لکھوایا کیجئے۔ اچھے مضمون کو ہر ایک خوشی سے پڑھتا ہے آپ کے ماہر صاحب کے کہنے کے مطابق میں نے بھی دو نقش بنائے ہیں مہربانی کرکے انھیں چھاپ دیجئے نقش یہ ہیں:۔

		۲۰		
	۲۰	۱۰		
۶	۱۱	۳	۲۰	
۲۰	۴	۷	۹	۲۰
	۵	۲۰		
	۲۰			

		۳۰		
	۳۰	۱۵		
۱۲	۱۰	[illegible]	۳۰	
۳۰	۹	۷	۱۴	
	۱۱	۳۰		

(محمد غوث - حیدر آباد)

جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم

جنوری کے پیام تعلیم میں انوکھے عدد والا مضمون پڑھ کر میں نے غور کیا تو اس طرح کے کئی نقش بن گئے اس کا قاعدہ میرے خیال میں یہ ہے کہ ایسے عدد سے یہ نقوش بن سکتے ہیں جو بارہ سے زیادہ ہو۔ اور تین سے برابر تقسیم ہوسکے جس عدد کا ایسا نقش بنانا ہو اسے تین سے تقسیم کیا جائے حاصل تقسیم یعنی خارج قسمت کو بیچ میں رکھا جائے اور انداز سے دوسرے خانوں میں عدد سے لکھے جائیں۔ تاکہ ہر طرف سے جوڑنے میں اتنا ہی آئے جتنے کا نقش بنانا ہو۔ مثال کے طور پر نیچے کے تین نقش ملاحظہ کیجئے جو ۲۷، ۱۸ اور ۲۴ کے ہیں۔ امید ہے کہ آپ انھیں شائع کردیں گے۔

(۱)

۵	۴	۹
۱۰	۶	۲
۳	۸	۷

(۲)

۹	۴	۱۱
۱۰	۸	۶
۵	۱۲	۷

(۳)

۸	۷	۱۲
۱۳	۹	۵
۶	۱۱	۱۰

پہلا ۱۸ کا ہے دوسرا ۲۴ کا اور تیسرا ۲۷ کا

(حامد رضا درجہ پنجم۔ محبوبیہ اسلامیہ ہائی اسکول الہ آباد)

جناب اڈیٹر صاحب۔ تسلیم۔

انوکھے عدد کا ایک نقش بھیجتا ہوں۔ مہربانی فرماکر شائع کردیجئے دیکھئے جدھر سے جوڑئے ۶۵ ہوتے ہیں۔

۱۷	۲۴	۱	۸	۱۵
۲۳	۵	۷	۱۴	۱۶
۴	۶	۱۳	۲۵	۱۲
۱۰	۱۲	۱۹	۲۱	۱۳
۱۱	۱۸	۲۵	۲	۹

ابوالفضل محمد علوی
VIII کلاس انٹرمیڈیٹ کالج
الہ آباد

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

آپ کے ماہرین تعلیم کے فرمانے کے مطابق میں بھی انوکھے عدد کا ایک نقش بھیج رہی ہوں مہربانی فرماکر شائع کر دیجئے۔

۹	۲	۷
۴	۶	۸
۵	۱۰	۳

مس بلقیس۔ گل محمد اے رحمٰن
(کراچی)

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

جنوری کے پیام تعلیم میں انوکھے عدد والے مضمون کو دیکھ کر دل چاہا کہ میں بھی ایک ایسا ہی نقش لکھ کر روانہ کروں اس لئے یہ نقش روانہ ہے مہربانی فرماکر اسے چھاپ دیجئے۔

۱	۸	۳	۸
۵	۶	۳	۶
۷	۲	۹	۲
۷	۴	۵	۴

محمد شفیع طالب علم جماعت چہارم
اسلامیہ اسکول بمیدل
(اپر برما)

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

پیام تعلیم میں ایک کمی ہے اور وہ یہ کہ معلومات نہیں ہوتے۔ آپ جب بچوں سے باتیں کر چکیں تو ایک صفحے پر معلومات دے دیا کیجئے۔ آپ اگر یہ بات اچھی سمجھیں تو میں آپ کا بہت شکریہ ادا کروں گا

خاکسار
(سمیع اللہ قریشی)

لطیفہ

استاد :۔ کون سا ملک سب سے زیادہ ٹھنڈا ہے۔

ایک لڑکا :۔ جنت ؟

استاد :۔ یعنی !

لڑکا :۔ جغرافیہ کے ماسٹر صاحب نے بتایا ہے کہ جتنے اوپر جاؤ ٹھنڈ معلوم ہوگی اور جنت تو ماسٹر صاحب بہت ہی اونچائی پر ہے۔

(مولوی جمیل احمد صاحب قنوجی)

کبھی تم نے کاٹھ کا الو بنایا؟ وہی جس کی پچھلے مہینے ہم نے تمھیں ترکیب بتائی تھی۔ سچ کہنا کتنا لطف آیا اچھا آؤ آج ہم تمھیں ایک نئی چیز بنانے کی ترکیب بتائیں۔ اگر تم نے ہمارے کہنے کے مطابق کام کیا تو گھر بیٹھے تمھارے یہاں ایک عجائب خانہ تیار ہو جائے گا اور تم اس عجائب خانے سے اپنی میز سجا سکتے ہو۔ ڈرائنگ تو تم اپنے اسکول میں سیکھتے ہوگے اور خوب اچھی تصویریں بنا لیتے ہوگے۔ لیکن اگر تمھیں زیادہ مہارت نہیں ہے تب بھی کوئی ہرج نہیں۔ کرنا تمھیں یہ ہے کہ کسی جانور کا عکس اتار لو۔ یہ بہت آسان کام ہے تصویریں تمھیں اچھی سے اچھی اور دل چسپ سے دل چسپ کتابوں میں مل جائیں گی

اس کام کے لئے تم کاغذ بھی استعمال کرسکتے ہو۔ مگر دفتی زیادہ موزوں ہوگی۔ اور سب سے بہتر تو یہ ہے کہ سادے کارڈ کی ایک گڈی دو ایک آنے میں بساطی کی دوکان سے خرید لو۔

عکس اتارنے کا طریقہ یہ ہے کہ ٹینگ کا کاغذ یا ٹریسنگ پیپر کتاب پر رکھ کر نرم پنسل سے خاکہ کھینچ لو۔ پھر اس ٹینگ کے کاغذ کو کارڈ پر الٹ کر رکھو، اور اوپر سے اسے رگڑ دو پنسل کا ہلکا نقش کارڈ پر اتر آئے گا۔ اس ہلکے نقش کو پھر چمکالو۔ اور اب جانور کی پیٹھ پر اس کے جسم کا الٹا خاکہ بنالو جیسا کہ تصویر میں دکھایا گیا ہے اس کے بعد اس تمام خاکے کو کاٹ لو۔ پھر پیٹھ کے پاس سے جیسے تصویر میں شوشہ دار لکیر سے دکھایا گیا ہے اسے دہرا کر لو۔ اب ہر جانور کھڑا ہو جائے گا اور اس کے چاروں پاؤں نظر آئیں گے۔

تھوڑی سی مہارت کے بعد جانور زندہ جانوروں کی طرح نظر آنے لگیں گے۔ اگر چاک یا رنگ سے

شیڈ دے دو تو اور بھی اچھے معلوم ہوں گے شیڈ دینے کے معنی اپنے ڈرائنگ ماسٹر صاحب
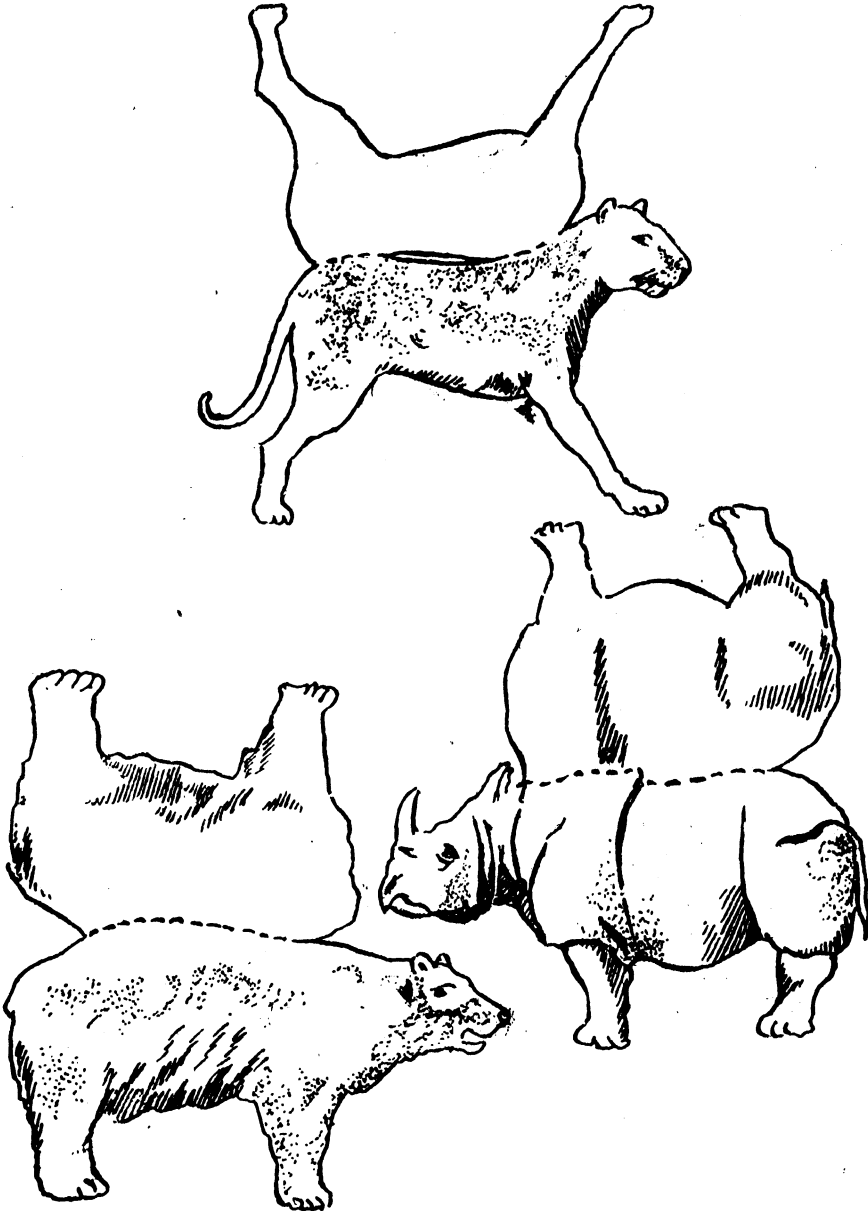
سے پوچھ لینا۔ وہ تمھیں اچھی طرح سمجھا دیں گے۔ یہ تصویریں بناؤ تو ہمیں بھی خبر کرنا۔

بچوں کو تلاش کرو

وادی اماں ۔ "ننھے میاں چلو گھر میں چلو۔ تم یہاں باغیچے میں کھڑے کیا کر رہے ہو؟"

ننھے میاں "وادی اماں آپ مجھے تو بعد میں نکالئے گا۔ پہلے ان پانچ بچوں کو اور ڈھونڈھ لیں۔ جو آپ کے باغیچے میں چھپے بیٹھے ہیں۔"

(مرزا جہانقدر - بھوپال)

پیامِ تعلیم دہلی

جلد ۹ | اپریل سنہ ۳۵ء | نمبر ۴

پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ، ایچ ڈی؛ جامعہ پریس

پیامِ تعلیم کے نئے خریدار

قیمت سالانہ عمر — فی پرچہ ۴ر

اسٹوڈنٹ کلب، کریم گنج، لہریا سرائے
محمد ادریس صاحب ۔ کلکتہ
مدرسہ فوقانیہ عثمانیہ دارالشفا بلدہ ۔ حیدرآباد
مولوی سید ابراہیم ہاشمی صاحب ۔ چاندہ
ذکر الرحمٰن صاحب ۔ دہلی
چودھری محمد عشرت علی صاحب ۔ سندیلہ
مدرسہ اسلامیہ ۔ نظام آباد
میر مصطفیٰ علی صاحب متعلم ۔ حیدرآباد دکن
محمد سجاد انصاری صاحب ۔ اعظم گڈھ
محمد عبدالعلی انصاری صاحب ۔ "
نواب زادہ نصر اللہ صاحب ۔ رمنا
بزم اتفاق ۔ Janjra
جناب یعقوب حسن صاحب ۔ Nandyal

خیر النسا بیگم صاحبہ ۔ دیول گھاٹ
مڈل اسکول ۔ Maddoz
اسلامیہ اینگلو ورنیکلر اسکول ۔ فاضلکا
میاں عبدالوحید علوی صاحب ۔ لدھیانہ
ایم صباح الدین احمد صاحب سمستی پور
سید علی حیدر صاحب رضوی ۔ ٹیکاری ۔
حامد علی صاحب رئیس ۔ بچھراؤں
اعزاز حسین خاں صاحب ۔ امروہہ
زیڈ، اے، وی، ہائی اسکول ضلع
مڈل اسکول ۔ کوہیر
عبدالحکیم حسنی منک صاحب ۔ مالدیپ ہند
مدرسہ نظامیہ شبلی گنج ۔ حیدرآباد
بابو سید شجاعت علی صاحب ۔ دہلی

بچوں سے باتیں

فروری کے پرچے میں ہم نے بدرالدین صاحب چینی بی اے جامعہ کے بارے میں ایک مضمون شائع کیا تھا اس مضمون سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ چینی صاحب دو چار دن کلکتہ میں رہ کر سیدھے جامعہ میں آ گئے تھے مگر جناب محمد الیاس خاں صاحب کی تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ ۱۹۲۲ء میں کلکتہ آئے تھے اور ۱۹۲۶ء تک وہاں کے یتیم خانہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ ۱۹۲۶ء کے آخری مہینوں، اگست ستمبر میں انھوں نے دہلی کا رُخ کیا۔ محمد الیاس خاں صاحب کو یہ حالات اس لئے معلوم ہیں کہ اُس زمانے میں وہ بھی یتیم خانے میں رہتے تھے اور میٹرک کے امتحان کی تیاری کر رہے تھے۔

جناب محمد شمیم صاحب جامعی اپنے ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں کہ

"فروری کے پرچے میں، میں نے نئے ٹکٹ جمع کرنے والوں کو سو ٹکٹ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں میں میرے پاس اتنے خط آ گئے کہ قریب قریب سارا ذخیرہ ختم ہو گیا۔ خطوں کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اب میرے پاس بہت تھوڑے ٹکٹ رہ گئے ہیں جنھیں میں نے مبادلہ کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس لئے اب کوئی صاحب اس کے بارے میں خط کتابت نہ فرمائیں۔"

اپنے خط میں انھوں نے یہ بات بھی ظاہر کی ہے کہ خط لکھنے والوں میں سب سے زیادہ تعداد حیدر آباد والوں کی ہے۔

بڑی خوشی کی بات ہے کہ رنگ بھرنے کی تصویر کے مقابلے میں اس مرتبہ بہت سے بچوں نے حصہ لیا ہے اگرچہ بہت سی تصویریں چند خرابیوں کی وجہ سے مقابلے میں شامل نہیں کی گئیں۔ مثلاً بعض میں کوپن پر نام و پتہ ٹھیک نہیں لکھا تھا یا بعض تصویروں میں بہت بے احتیاطی سے رنگ بھرا گیا تھا۔ پھر بھی کوئی ۳۱ تصویریں ایسی تھیں جن میں بڑی صفائی اور احتیاط سے رنگ بھرا گیا تھا۔ ان میں سے کچھ تو اتنی اچھی تھیں کہ جناب ماسٹر اختر حسن صاحب فاروقی آرٹسٹ جامعہ کو بہترین تصویر کے انتخاب میں بہت دقت ہوئی پہلے ہمارا ارادہ ایک ہی انعام دینے کا تھا مگر اب ہم نے ایک کے بجائے تین انعام کر دیے ہیں۔ مقابلے میں شریک ہونے والوں کے نام نیچے لکھے جاتے ہیں:۔

خواجہ اکرام احمد درجہ ہشتم امراؤتی۔ محمد حسن جماعت پنجم کشتگی ضلع رائچور۔ محمد صابر الدین خاں درجہ دوم۔ حیدر آباد دکن۔ وارث امین خاں درجہ ہشتم بنوں (سرحد) ظہور الحق درجہ چہارم الف جامعہ ملیہ۔ سید ولی الحق درجہ چہارم جہان آباد (گیا) محمد شعیب الرحمٰن درجہ پنجم جامعہ ملیہ۔ مس طاہرہ سلطان درجہ پنجم پالن پور (ریاست) ابو خالد دسنوی درجہ ہشتم مراد پور پٹنہ۔ الشور حیدر درجہ ہشتم۔ غازی پور۔ عبد الرؤف درجہ چہارم جامعہ ملیہ، عمر ہدایت اللہ درجہ ششم حیدر آباد دکن۔ سید زاہد حسین کانپور۔ محمد عبد الوالی درجہ ششم حیدر آباد دکن، مرزا رحمت اللہ بیگ درجہ ہفتم دریا پور۔ افتخار احمد درجہ ششم مظفر نگر۔ فرید احمد درجہ حافظہ بہار شریف۔ غلام محمد یعقوب درجہ ششم حیدر آباد دکن۔ نقی اشرف درجہ چہارم اعظم گڈھ۔ محمد ارشد حمید درجہ چہارم اعظم گڈھ۔ محمد حنیف خان درجہ ہشتم۔ جودھپور۔ عبید الحق درجہ ششم جامعہ ملیہ ثروت بیگم درجہ چہارم سہارنپور۔ عبد اللطیف اعظمی درجہ ہفتم لکھنؤ محمد ابراہیم عمر درجہ نہم اول (م) کھام گاؤں (برار) جسونت سنگھ درجہ ہفتم اودے پور۔ مختار محمودہ خانم درجہ ہشتم — لاہور

مس جمیلہ عبداللہ درجہ ہفتم لاہور ۔ عزیز احمد درجہ ہفتم
ہانگ کانگ جنوبی چائنا ۔ محمد یعقوب درجہ اول برن سائدہ ۔

جناب ماسٹر اختر حسن صاحب کے انتخاب کے مطابق لڑکوں میں
سب سے اچھی تصویر محمد ابراہیم عمر صاحب کھام گاؤں برار کی ہے اس کے
بعد جسونت صاحب اودے پور کی ۔ لڑکیوں کی تصویروں میں سب سے
اچھی تصویر مس جمیلہ عبداللہ لاہور کی تھی ۔ ہم ان تینوں کو ان کی کامیابی
پر مبارک باد دیتے ہیں ان کا انعام بہت جلد ان کے پاس پہنچ جائے گا
ان کے علاوہ عبداللطیف صاحب اعظمی، مختار محمود خاں صاحب
عزیز احمد صاحب جنوبی چین ۔ اور محمد حسن صاحب کی تصویریں بھی
خاص طور سے اچھی ہیں ۔

بعض بچے انعامی مقابلے کے خط بیرنگ بھیج دیتے ہیں بعض اپنے
لفافے پر ٹکٹ کم لگاتے ہیں اور ان کے خط بیرنگ ہو جاتے ہیں اور دفتر
پر خواہ مخواہ کا بوجھ پڑتا ہے آئندہ سے ایسے خط واپس کر دیے جائیں
گے ۔ امید ہے کہ بچے احتیاط سے کام لیں گے ۔

اس مہینے میں بہت اندوہناک حادثہ پیش آیا یعنی مشہور مسلمان
لیڈر جناب تصدق احمد خاں صاحب شروانی بیرسٹر، ممبر اسمبلی کا
۲۲ مارچ کو دہلی میں انتقال ہو گیا ۔ آپ ہندوستان کے بہت ہر دل
عزیز رہنما تھے ۔ تقریباً پوری زندگی قوم کی خدمت کرتے گذری تھی اسی
لئے تمام ملک میں آپ کی موت پر ماتم کیا جا رہا ہے ۔ آپ ۱۸۸۵ء میں علی گڑھ
کے ایک معزز خاندان میں پیدا ہوئے ۔ علی گڑھ کالج میں تعلیم حاصل کی
پھر لندن کی کیمبرج یونیورسٹی میں بی اے کی ڈگری اور بیرسٹری پاس
کی ۱۹۲۰ء میں بیرسٹری چھوڑ کر خلافت کی تحریک میں شامل ہو گئے
اور اس وقت سے مرتے[1] دم تک قومی تحریکوں میں حصہ لیتے رہے
اس سلسلے میں کئی بار جیل بھی جانا پڑا ۔ ہماری جامعہ سے مرحوم کا تعلق
بہت پرانا تھا ۔ جب علی گڑھ میں جامعہ قائم ہوئی ہے تو اس کے پہلے سکریٹری
مرحوم ہی تھے ۔ اس لئے جامعہ میں آپ کے انتقال کی خبر سے چھوٹا بڑا
ہر شخص متاثر تھا ۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کو جنت میں جگہ دے اور ان
کے عزیزوں کو صبر عطا فرمائے ۔ آمین

دسمبر سنہ ۳۴ء کے پیام تعلیم میں ہم نے ڈھاکہ کے سر سلیم اللہ یتیم خانے
کا ذکر کیا تھا ۔ تھوڑے دن ہوئے ہمیں اس کی ایک رپورٹ اور ملی
ہے ۔ جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں ۔ اس یتیم خانے کو قائم ہوئے ۲۵ سال
گذر چکے ہیں اور اس خوشی میں اگست سنہ ۳۴ء میں اس کی سلور جوبلی
منائی گئی تھی ۔ اس موقع پر یتیم خانے کے ایک نئے مکان ۔ سر
عبدالغنی وارڈ کا سنگ بنیاد بھی رکھا گیا تھا ۔ اس میں شک نہیں کہ
اس یتیم خانے نے جناب خان صاحب فرید الدین احمد صاحب
صدیقی کی کوششوں کی بدولت غیر معمولی ترقی کر لی ہے کوئی ۱۲، ۱۳
سال سے آپ نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور دن رات اسی میں
لگے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یتیم خانہ ترقی کے اس درجے پر پہنچ گیا ہے کہ
ہندوستان میں بہت کم اس کی مثال ملے گی ہم اس کامیابی پر صدیقی
صاحب اور ان کے ساتھ کام کرنے والوں کو مبارک باد دیتے ہیں اس
پرچے میں یتیم خانے کی عمارتوں کے کچھ فوٹو بھی شائع ہو رہے ہیں

اس پرچے میں گنجائش کی کمی کے سبب ہمیں کئی مضمون
روک دینے پڑے ۔ اللہ نے چاہا تو اگلے پرچے میں شائع
ہوں گے ۔ "معلومات" اور "پڑھنے کی کتابوں" کے صفحے بھی اسی وجہ
سے اس پرچے میں نہ دیے جا سکے ۔

---

[1] شروانی صاحب بلونا ضلع علی گڑھ کے رہنے والے تھے اگر تم ان کے عزیزوں کو تعزیت کا خط بھیجنا چاہو تو اس پتہ پر نثار احمد خان صاحب
شروانی کے نام بھیجنا ۔
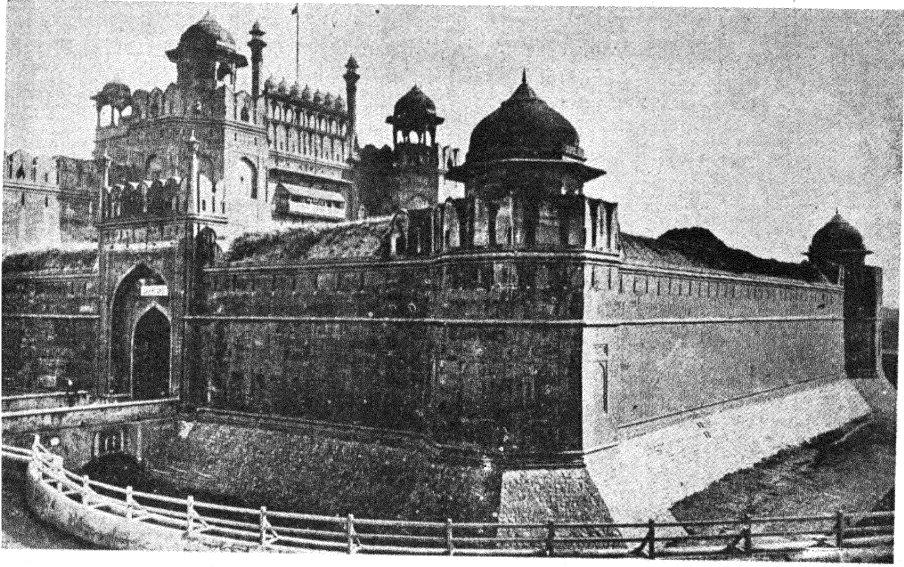
لال قلعہ:— اس تصویر میں باہر کی فصیل خندق اور لاہوری دروازہ دکھایا گیا ہے - جس کا رخ چاندنی چوک کی طرف ہے -
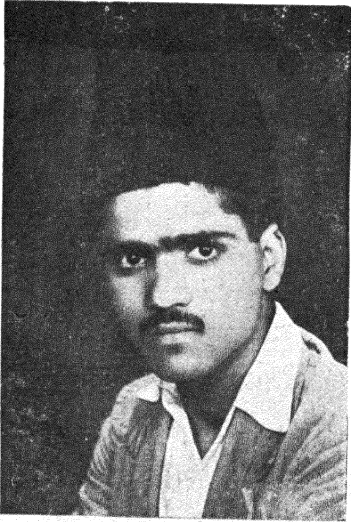
رشید الدین لاہور - پیام تعلیم کے پرانے اور مستقل مضمون نگار ہیں۔
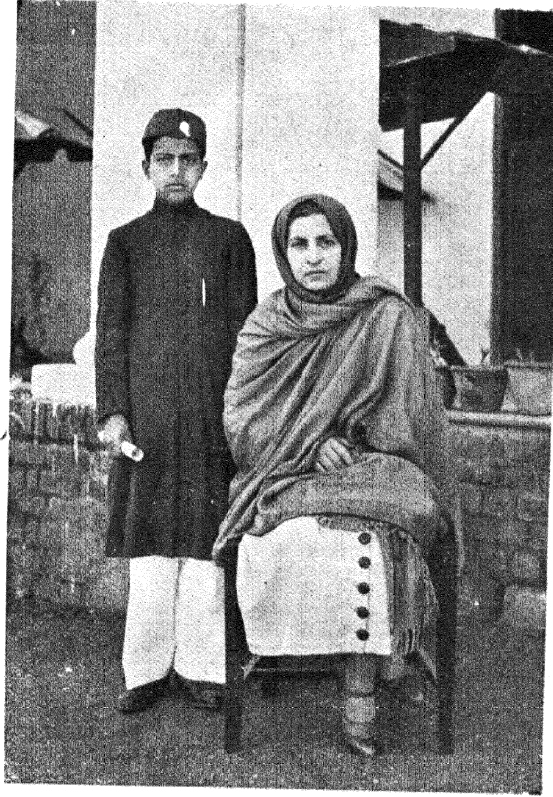
محترمہ خالدہ ادیب خانم اور عبدالوحید جس کا
مضمون خالدہ ادیب خانم کے حالات میں
اس پرچے میں شائع ہو رہا ہے ۔

ارشاد

خالدہ ادیب خانم

میں اپنے چھوٹے دوستوں طلبائے جامعہ کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے مجھے اپنے یہاں بلایا۔ ان میں بہت سے ڈاکٹر بننا چاہتے ہوں گے۔ یہ اچھی بات ہے ان کی مدد سے ہندوستان ایک تندرست اور طاقت ور ملک ہو جائے گا۔ ان میں بہت سے حاکم بننا چاہتے ہوں گے۔ یہ بھی اچھی بات ہے کیوں کہ ہندوستان میں عدالتیں بھی قائم ہوں گی، ان میں بہت سے ایسے ہوں گے جو خلق خدا کی خدمت کرنا چاہتے ہوں گے۔ بہت سے ایسے ہوں گے جو انجنیر بن کر عمارتیں بنانی چاہتے ہوں گے۔ مگر ان میں کچھ ایسے بھی ہوں گے جو سپاہی بننا پسند کریں گے۔ یہی سب سے اچھے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے نہیں کہ آدمیوں کو مارنا یا خونریزی کرنا کوئی اچھا کام ہے بلکہ اس لئے کہ ہر بڑی خدمت ایک فوجی خدمت ہے۔ ہر انسان اپنے ملک کا سپاہی ہے۔ اور ہر سپاہی اپنی ذات سے زیادہ اپنے فرض اور اپنے وطن کو عزیز رکھتا ہے اور اس کے لئے جان لڑا دیتا ہے۔ لہذا جس ملک کے سب بچے چھوٹے چھوٹے، سپاہی ہوں گے اور یہ سمجھتے ہوں گے کہ فوجی خدمت کیا چیز ہے وہی آزاد اور بڑے ملک کے مالک ہوں گے۔

خالدہ ادیب

ماہر تعلیم کے قلم سے
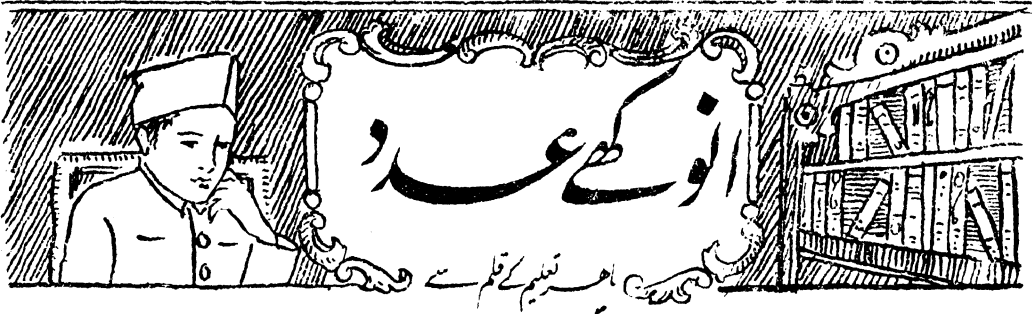
جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم

معاف فرمایئے جناب، ہم تو باز آئے آپ کے پرچے میں مضمون لکھنے سے۔ ہم نے آپ کے یہاں انوکھے عدد کیا لکھ کر بھیجے کہ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا۔ کل آپ کی جامعہ ملیہ کی ایک اقامت گاہ (بورڈنگ) میں گذر ہو گیا۔ صاف ستھرے بچے، صاف ستھرے بستر، قرینے سے اسباب رکھا دیکھ کر جی بڑا ہی خوش ہوا۔ نگراں صاحب سے ان کے انتظام کی تعریف کر رہے تھے کہ جناب ایک صاحبزادے نے دوسرے سے کچھ کہا اور ہمارے کان میں صرف اتنی بھنک پہنچی "انوکھے عدد والے" ہم نے دل میں کہا "یا اللہ خیر۔ یہاں بھی خبر پہنچ گئی۔ اب خیریت نہیں۔ نکل ہی چلو" نگراں صاحب سے کہا "معاف فرمایئے۔ اب اس وقت تو رخصت ہوتا ہوں۔ پھر حاضر ہوں گا۔" مگر اتنے میں کئی لڑکے جمع ہو گئے تھے سب نے مجھے گھیر لیا۔ اور تو سب چپ چاپ سے تھے بس مسکراتے تھے لیکن وہی حضرت جنھوں نے چپکے سے پہلے خبر دی تھی آگے بڑھے اور لگے کہنے "جناب ہم لوگ ایک درخواست لے کر آئے ہیں"۔ میں نے کہا "فرمایئے" بولے "آپ ہی تو ہمارے پیامِ تعلیم میں وہ 'انوکھے عدد' والا مضمون لکھتے ہیں"۔ نہ ہاں کہتے بنتی تھی نہ نا۔ آخر سچ سچ کہہ دیا "جی ہاں، لکھتا تو ہوں"۔ ان چھوٹے صاحب نے نہایت فاتحانہ چاروں طرف دیکھا گویا زبانِ حال سے فرما رہے ہیں 'دیکھا میں سچ نہ کہتا تھا'۔ اور پھر مجھ سے بولے: "تو آج ہمیں بھی کچھ انوکھے عدد بتلایئے۔ ہمارے بڑے کمرے میں اب تو ایک بڑا کالا تختہ بھی آگیا ہے۔" میں نے کہا "بھائی۔ میں پھر کسی وقت آوں گا" مگر میرے لہجے میں شاید کچھ کمزوری تھی سب کے

سب بول اٹھے "جی نہیں۔ اسی وقت کیوں نہ بتائیے"۔ رفتہ رفتہ مجمع بھی بڑھ گیا تھا۔ ماسٹر صاحب نے بھی بچوں کی تائید کی آخر کو ماننا پڑا۔

اچھا صاحب پہونچے بڑے کمرے میں۔ اس میں نہایت سلیقے سے فرش بچھا تھا۔ کونے میں کالا تختہ ایک تپائی پر رکھا تھا۔ ایک صاحب کھریا بھی لئے موجود تھے۔ ہم نے کہا "اچھا بھائی آؤ۔ تم میں سے کوئی لڑکا آکر اس تختہ پر کوئی بھی عدد لکھ دے" ایک ذہین لڑکا بولا "کچھ ہم تھوڑے ہی انوکھے عدد بتائیں گے" میں نے کہا "کیوں کیا ہوا۔ تم لوگوں کو اگر ایسا ہی شوق رہا تو بہت سے انوکھے عدد تم بھی جان جاؤ گے مگر خیر اس وقت تو تم کوئی عدد لکھ ہی دو" وہی بچہ اٹھا اور اس نے تختہ پر لکھ دیا۔
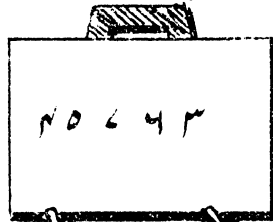
میں نے اس میں چپکے سے "۳" اور بڑھا دیا اور کہا اب یہ عدد "۱۱" سے پورا پورا تقسیم ہو جائے گا۔ کئی لڑکوں نے آزمایا۔
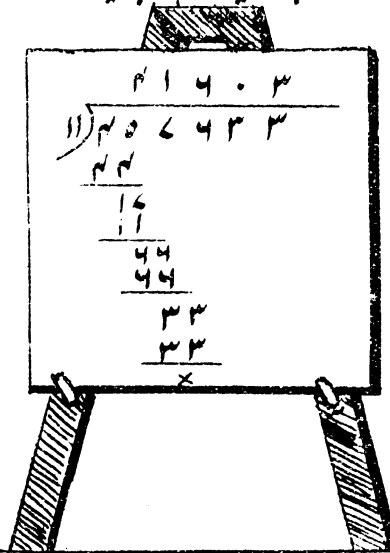
ایک لڑکا اٹھا۔ اس نے کہا "اب کی میں لکھوں گا"۔ میں نے کہا "لکھو"۔ اس نے آکر لکھا

۲ ۴ ۹ ۸ ۷

میں نے جھٹ آگے لکھ دیا ۶۔ اور کہا یہ بھی ۱۱ سے پورا پورا تقسیم ہو جائے گا اور ۱۱ ہی سے نہیں ۳۳ سے بھی، ۷۷ سے بھی، ۹۹ سے بھی، ۱۸ سے بھی۔

اب تو جناب سارا مجمع تقسیم ہی میں لگ گیا۔ اور جسے دیکھو سر ملا رہا ہے کہ بات تو ٹھیک ہے ایک لڑکے نے کہا کہ نہیں ۱۸ سے تقسیم نہیں ہوتا تو پاس والے لڑکے نے اس کی غلطی اسے بتا دی، اس نے تقسیم غلط کی تھی۔

میں نے کہا "اچھا بھائی اب کوئی اور لڑکا آئے اور جو عدد چاہے لکھ دے"۔ مگر لڑکوں نے کہا "نہیں ہمیں بتائیے کہ یہ آپ کیسے کر لیتے ہیں؟" میں نے کہا بھائی یہ نہیں ٹھہری تھی۔ تم خود سوچ کر نکالو کہ میں کیسے کرتا ہوں" مگر وہ کہاں مانتے تھے۔ ان کے اصرار کے سامنے مجھے ہار ماننی ہی پڑی اور میں نے انھیں بتایا کہ دیکھو پہلے عدد میں میں نے ۴ کا ہندسہ بڑھایا تھا۔ اور دوسری مرتبہ ۶ کا۔ تمھیں بتاؤں کہ کیوں"۔

سب بولے: "ہاں ہاں، ضرور بتائیے"۔

میں نے پوچھا کہ "تم جانتے ہو کہ طاق کسے کہتے ہیں"۔ ایک لڑکا جھٹ بولا "جی ہاں جیسے

۱، ۳، ۵، ۷"

"شاباش" میں نے کہا "اور جفت"؟

ایک اور لڑکا بولا "جیسے:- ۲، ۴، ۶، ۸"

"شاباش" دیکھو جو عدد تم نے لکھا ۴ ۵ ۷ ۶ ۳ اس میں طاق جگھوں پر یعنی پہلی، تیسری اور پانچویں جگھوں پر جو عدد ہیں ان کے اوپر نشان لگاتا ہوں اور جو جفت جگھوں پر ہیں یعنی دوسری چوتھی جگھوں پر ان کے نیچے نشان لگاتا ہوں، یوں

۳۶۳ ، ۵ ۴

دیکھو ۳ + ۷ + ۴ کتنے ہوئے؟ ۱۴
۶ + ۵ کتنے ہوئے؟ ۱۱

دونوں کا فرق ہے ۳ ۔ میں نے ۳ ہی اس عدد میں بڑھائے تھے ۔ اور اس طرح نئے عدد میں طاق جگہ والے اور جفت جگہہ والے عددوں کا مجموعہ برابر برابر ہو گیا تھا ۔ دوسرا عدد دیکھو ۔ اس میں بھی میں نے یہی کیا تھا ۔ تم نے لکھا ۲ ۴ ۹ ۸ ۷ میں طاق جگہہ والوں کو جوڑا ۔ ۲ + ۹ + ۷ تو ہوئے ۱۸ ۔ جفت جگہ والوں کو جوڑا ۴ + ۸ تو ہوئے ۱۲ ۔ فرق ہوا ۶ میں نے یہی ۶ کا ہندسہ بڑھا دیا تو طاق اور جفت جگہہ والے عددوں کا مجموعہ برابر ہو گیا

جس عدد میں بھی طاق جگہ اور جفت جگہ والے عددوں کا مجموعہ برابر ہوگا وہ ۱۱ سے پورا تقسیم ہو جائے گا ۔ اب تم خود مثالیں لے کر اس قاعدے کو آزما لینا ۔ بس اب ختم ۔

مگر ایک ذہین سا لڑکا پیچھے بیٹھا تھا وہ اٹھ کر بولا " یہ تو آپ نے ۱۱ کا قاعدہ بتایا ۔ مگر آپنے یہ کیسے کہہ دیا تھا کہ یہ عدد ۹۹ سے بھی تقسیم ہو جائے گا اور ۲ سے بھی اور ۸ سے بھی " ہاں بھائی کہا تو تھا ۔ اور تم نے آزما بھی لیا تھا کہ صحیح بات تھی " جی ہاں سچ تو تھی ۔ مگر یہ آپ کو پہلے سے معلوم کیسے ہو گیا ۔ آپ نے تقسیم تو کی نہیں تھی " ۔

میں نے کہا " میاں صاحبزادے ۔ اس کا بھی ایک گر ہے ۔ لو تمھیں بتا دیں ۔ جس عدد کے ہندسوں کو جوڑنے سے مجموعہ ایسا آئے کہ ۹ سے تقسیم ہو جائے وہ عدد خود بھی ۹ سے تقسیم ہو جاتا ہے مثلاً ہمارا دوسرا عدد تھا ۶ ۲ ۴ ۹ ۸ ۷

۶ + ۲ + ۴ + ۹ + ۸ + ۷ کتنے ہوئے؟ ۳۶ ۔ تم جانتے ہو ۹ چوک ۳۶

مجموعہ ۹ سے پورا تقسیم ہوتا ہے اس لئے عدد بھی ۹ سے تقسیم ہو جائے گا۔ جو عدد ۹ سے تقسیم ہوتا ہے وہ ۳ سے بھی پورا پورا تقسیم ہوتا ہے۔ اب یہ عدد ۱۱ سے بھی تقسیم ہوتا ہے۔ ۹ سے بھی، تین سے بھی اس لئے ۳ × ۱۱ یعنی ۳۳ سے بھی تقسیم ہوتا ہے۔ ۱۱ × ۹ یعنی ۹۹ سے بھی۔ ۹ × ۳ یعنی ۲۷ سے بھی۔

اس کے آخر میں ۶ ہے اور جس عدد کے آخر میں ایسا عدد ہو جو ۲ سے تقسیم ہو جاتا ہو۔ تو وہ پورا عدد بھی ۲ سے تقسیم ہو جاتا ہے۔

لہذا یہ عدد ۱۱ × ۲ یعنی ۲۲ سے، ۹ × ۲ یعنی ۱۸ سے بھی پورا پورا تقسیم۔ ہو جائے گا۔

"بس بھائی اب بہت سے قاعدے بتا دئے۔ اب چھٹی"۔ سب لڑکوں نے تالیاں بجائیں۔ اور ہم بھاگ نکلے

لطیفے

استاد:۔ رام تم بتاؤ! تمھارے خیال میں امریکہ زیادہ دور ہے یا چاند؟

رام :۔ امریکہ۔ ماسٹر صاحب۔

استاد:۔ وہ کیسے۔

رام :۔ اس لئے کہ چاند تو ہم دیکھ سکتے ہیں مگر امریکہ تو نظر بھی نہیں آتا۔

باپ :۔ "شاہد" بیٹے تم نے حبشی بھی دیکھے ہیں"؟

شاہد:۔ کیوں نہیں ابا میکملن کے جغرافیے میں دیکھے ہیں"۔

(از جناب پروفیسر عطاء اللہ صاحب - ایم اے پروفیسر مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ)

(۳)

سعید پھر قلعے میں آن داخل ہوا ، اور شہزادی دلفریب کے پاس رہنے لگا۔ ایک دن اس نے شہزادی کو اپنے پاس بلایا اور اپنے تھیلے کی بدولت اس کو ایسی دعوت کھلائی کہ وہ حیران ہی تو رہ گئی ۔ باتوں باتوں میں سعید نے اس کو اپنے پاس دری پر بٹھایا اور شطرنج کھیلنے لگا ۔ ایک دم سعید نے کہا "چلو" اور دری اس کو اور شہزادی دلفریب کو لیئے ہوئے قلعے سے یہ جا وہ جا۔ شہزادی بہت چلائی اور قلعے والیاں دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئیں ۔ سعید نے دلفریب سے کہا "ذرا سنبھل کر بیٹھو۔ دری سے ادھر ادھر ہوئیں اور تمھارا خاتمہ ہے ۔ شہزادی کے دل پر اس وقت جو گذر رہی تھی وہی جانتی تھی ۔ دری سعید کے کہنے کے مطابق عین سمندر میں ایک جزیرے میں آن کر اتری ۔ چھوٹا سا خشکی کا ٹکڑا تھا جس کے گرد میلوں تک پانی ہی پانی تھا ۔ دلفریب نے کہا بری پھنسی مگر فریبی عورتوں کی طرح سعید کے ساتھ بہت پیار اور محبت سے رہنے لگی ۔ وہاں جو کچھ شہزادی مانگتی تھیلے کی بدولت سعید سب مہیا کر دیتا ۔ شہزادی نے سعید سے پوچھا آخر یہ معما کیا ہے ۔ سعید نے محبت کی لے میں شہزادی کو تینوں چیزوں کی خاصیتیں بتادیں ایک دن سعید تو سمندر کے کنارے منہ دھونے گئے ۔ شہزادی نے دری بچھائی ۔ تھیلا اور سرمہ دانی سنبھالی ۔ اور دری سے کہا "چل میرے قلعے کو" دری شہزادی کو لیئے ہوا میں بلند ہوئی اور سعید میاں حسرت سے دیکھتے ہی رہے شہزادی نے بلندی سے پکار کہا "اچھا تو پھر

ہم چلتے ہیں۔" سعید اس ویران جزیرے میں
پڑا قسمت کو رو رہا تھا ایک دن دوپہر کو ایک
درخت کے نیچے جو لیٹا اور آنکھیں بند کیں تو کیا
سنتا ہے کہ اس درخت پر دو کبوتر آپس میں
باتیں کر رہے ہیں۔ ایک نے کہا یہ بےچارا
تو مارا گیا۔ دوسرے نے کہا اس درخت میں یہ
خاصیت ہے کہ اس کے ہر کام آسکے۔ اگر وہ
اس درخت کا ایک ٹکڑا کاٹ کر اس پر بیٹھ جائے
تو جس جگہ ساحل پر چاہے وہ ٹکڑا اسے پہنچا دے
گا۔ اگر اسی درخت کی ایک شاخ چھڑی بنا کر اپنے
پاس رکھے تو یہ چھڑی دو کام دے گی۔ اگر وہ چھڑی
کسی انسان کے مارے اور کہے "ہش" تو وہ
انسان حیوان بن جائے گا۔ اور اس حیوان کے
مارے اور کہے "آدم" تو وہ انسان بن جائے گا
اگر اس درخت کے پتے اپنے پاس رکھے تو ان
کے لگانے سے اندھوں کی آنکھیں روشن ہو جائیں
گی۔

سعید نے یہ سب کچھ دھیان لگا کر سنا
اور اٹھتے ہی ایک لکڑی توڑی۔ چند پتے جیب
میں ڈالے اور ایک چھڑی توڑ لی۔

سمندر پر اس لکڑی کی بدولت وہ ایسا
چلا جاتا تھا جیسا خشکی پر کوئی پیدل جائے۔ کئی
دن کی تکلیفوں کے بعد وہ شہزادی دلفریب کے
محل میں پھر پہنچ گیا۔ اس کو دیکھتے ہی لونڈیاں چلائیں
جادوگر آگیا، جادوگر آگیا" شہزادی کے ہوش
حواس بھی گم ہوئے۔ مگر اس نے دل میں سوچا۔
اب تو اس کا تمام جادو میرے پاس ہے چلو تو
ذرا اس کی مرمت کریں۔ یہ کہہ کر لونڈیوں کے
ساتھ وہ سعید پر پل پڑی۔ اب سعید نے اپنی
چھڑی مارنا اور "ہش ہش" کرنا شروع کیا
بس پھر کیا تھا شہزادی دلفریب اور چند لونڈیاں
اچھی خاصی گدھیاں بن گئیں۔ سعید نے گدھی کے
گلے سے وہ تعویذ جو شہزادی پہنے ہوئے تھی اُتار
لیا۔ یہ وہی پرندے کے دل والا تعویذ تھا اس
کے بعد سعید نے اپنی دوسری چیزوں کے
لئے قلعے کی تلاشی لی اب لونڈیاں تو دور دور
بھاگی پھر رہی تھیں۔ کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ
جسے چھڑی لگی وہ گدھی بنی۔ سعید نے جب اپنی

سبھی کھوئی ہوئی چیزوں پر قبضہ پا لیا تو شہزادی گدھی کے ایک چھڑی ماری اور کہا "آدم" گدھی جب شہزادی دلفریب بن گئی اور سعید نے کہا اب کہو کیا ارادہ ہے گدھی بننا چاہتی ہو یا شہزادی اگر میرے ساتھ محبت سے رہنا چاہو تو شادی کرلو۔ ورنہ میں قلعے میں رہوں گا اور تم میرے اصطبل کے گھوڑوں کے لئے چارہ اٹھا کر لایا کرو گی۔ شہزادی نے کہا تم سے بچ کر نکلنا ممکن نہیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آیندہ تم سے کبھی دغا نہ کروں گی۔ اور ہم میاں بیوی بن کر اسی قلعے میں رہا کریں گے۔ اس کے بعد ان کی شادی ہو گئی اور وہ مزے سے رہنے لگے۔

حمید بادشاہت کے مزے لوٹ رہا تھا مگر اس کو ماں باپ اور بھائی کی یاد بری طرح ستاتی تھی۔ اس نے اپنے بھائی کی تصویریں بنا کر ہر طرف آدمی دوڑائے تھے کہ اُسے ڈھونڈ کر لائیں آخر ایک گروہ سعید اور شہزادی دلفریب کو ساتھ لے کر حمید کی بادشاہت میں داخل ہوا۔ دونوں مدت کے بچھڑے ہوئے بھائی ایک دوسرے سے مل کر نہایت خوش ہوئے۔ آپس میں ملنے کے بعد اُن کو ماں باپ یاد آگئے۔ حمید نے پہلے ہی ان کو لانے کو آدمی بھیج دیے تھے دوسرے دن وہ بھی پہنچ گئے مگر ان سب کو اس بات سے بڑا رنج ہوا کہ ماں باپ اپنے بچوں کو اپنی آنکھ سے دیکھ نہیں سکتے کیونکہ بچوں کی جدائی میں رُو رو کر اپنی آنکھیں کھو چکے تھے۔ ابھی سب لوگ اس پر رنج کر ہی رہے تھے کہ سعید بولا افسوس کرنے کی ضرورت نہیں۔ دیکھو میں ابھی دونوں کی آنکھیں ٹھیک کئے دیتا ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے جزیرہ والے درخت کے پتے ان کی آنکھوں پر ملے اور خوشحال اور مہر بانو کی آنکھیں روشن ہو گئیں۔ اب ان چاروں کو آپس میں مل کر اتنی خوشی ہوئی جس کا اندازہ جھوٹ موٹ کی کہانیاں سن کر خوش ہو جانے والے بچے نہیں کر سکتے۔

کہو بھائی یہ کہانی مزے دار ہے یا نہیں ؟

محترمہ خالدہ ادیب خانم ابھی پچھلے دنوں جامعہ کی دعوت پر ہندوستان تشریف لائی تھیں اور ہمارے تعلیمی مرکز کے ہال میں انھوں نے آٹھ تقریریں کیں یہ تقریریں سب کی سب انگریزی میں تھیں۔ میں تو انگریزی جانتا نہیں جو انھیں سمجھ سکتا۔ مگر ہمارے استاد اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ بہت ہی اچھی تقریریں تھیں اور محترمہ خانم صاحبہ نے بڑی خوبی سے اپنے ملک کی اگلی پچھلی تاریخ بیان کی ہے۔ سنا ہے کہ ان کی یہ تقریریں انگریزی اور اردو میں کتاب کی صورت میں بھی بہت جلد چھپیں گی۔ اگر یہ ہوگیا تو بہت اچھی بات ہوگی جو لوگ انگریزی نہیں جانتے یا اس جلسے میں موجود نہیں تھے وہ بھی خانم صاحبہ کی اچھی باتوں سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ میں بھی اس کتاب کو ضرور پڑھوں گا۔ اور جہاں کہیں سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اپنے ماسٹر صاحب سے پوچھ لوں گا۔

ہمارے ماسٹر صاحب کہتے تھے کہ ان نیک بی بی نے اپنے ملک میں بڑے بڑے کام کیے ہیں۔ کوئی دس بارہ سال پہلے جب میں پیدا بھی نہ ہوا تھا ان کے ملک میں بڑی آفت مچی تھی ان کا بادشاہ جو خلیفہ کہلاتا تھا اور جس کی ساری دنیا کے مسلمان عزت کرتے تھے۔ بڑی کم زوری دکھا رہا تھا اگر اس وقت اس کی قوم کے لوگ یعنی ترک اس کے خلاف نہ ہوجاتے اور پوری طاقت اور جوش سے اپنے ملک کو بچانے کی کوشش نہ کرتے تو آج ہماری تمھاری طرح یہ بھی غلام ہوتے اس وقت محترمہ خالدہ صاحبہ نے ایسی ہمت اور مردانگی سے کام لیا کہ میں تو سن کر حیران ہوجاتا ہوں۔ ماسٹر صاحب کہتے تھے کہ انھوں نے

تقریریں کرکے اپنے یہاں کے مردوں کو خوب جوش اور غیرت دلائی ، لڑائیوں میں شریک ہوئیں لوگوں کی حالت اور ان کے خیالات ٹھیک کرنے کے لئے اچھے اچھے مضمون اور کتابیں لکھیں ۔غرض وہ سب کچھ کیا جو ہمارے یہاں کے تو شاید مردوں سے بھی بن نہ آتا اُن کی اور ان کے ساتھیوں کی ان ہی کوششوں کی بدولت انھیں کامیابی ہوئی اور اپنے ہی ملک کے لوگوں کی آزاد حکومت قائم ہوگئی جس کے سب سے بڑے حاکم آج کل غازی مصطفےٰ کمال پاشا ہیں ۔محترمہ خالدہ خانم کا مرتبہ ان کے بعد سمجھا جاتا ہے ۔میں نے سنا ہے کہ وہ حکومت کے کسی بڑے عہدے پر بھی رہ چکی ہیں

جامعہ والوں نے انھیں جامعہ دکھانے کا بھی انتظام کیا تھا اور محترمہ خانم صاحبہ نے جامعہ کی ہر چیز شوق اور دلچسپی سے دیکھی جامعہ کے کاموں کو دیکھ کر اور استادوں سے مل کر وہ بہت خوش ہوئیں اور اپنا اطمینان ظاہر کیا۔

وہ باری باری سے تمام بورڈنگوں میں بھی گئیں ، ان کے انتظام اور بچوں کے رہنے سہنے کے طریقے اور صاف ستھرائی کی باتوں کو خوب غور سے دیکھا۔ ہر بورڈنگ کے لڑکوں نے اپنی اپنی طرف سے ان کی خدمت میں تحفے بھی پیش کئے ۔ہماری محترم خانم نے ہر ایک بورڈنگ میں بہت اچھی اچھی اور مفید نصیحتیں کیں جن پر انشاءاللہ ہم ضرور عمل کریں گے جو ہر منزل کے بورڈنگ کے لڑکے ہم سب سے میری رہے انھوں نے محترم خانم صاحبہ سے بہت اچھا پیام لکھوایا ہے ۔مجھے یہ پیام بہت پسند ہی میں نے سنا ہے کہ ایڈیٹر صاحب اس پیام کو کہیں دوسری جگہ بہت اہتمام سے چھاپ رہے ہیں ۔ ورنہ میں اسے یہاں ضرور نقل کرتا

اور سب بورڈنگوں کی طرح خانم صاحبہ ہمارے بورڈنگ محمود منزل میں بھی تشریف لائیں یہاں انھیں سب چیزیں دکھانے کا کام میرے ذمے کیا گیا تھا ۔جب وہ جناب شیخ الجامعہ کے ساتھ موٹر پر تشریف لائیں تو میں نے دروازے

پر ان کا استقبال کیا ۔ پھر اندر لایا ہر لڑکے سے
ملاقات کرائی اور اس کے کچھ مختصر حالات بیان
کئے ۔ وہ بھی ان سے بہت محبت سے ملیں
سب کے بستر غور سے دیکھے ۔ خاص کر میرا
بستر تو بہت ہی الٹ پلٹ کر دیکھا ۔ پھر
ہمارے سجے سجائے ہال کو دیکھ کر بہت خوش
ہوئیں ۔ ہمارے بورڈنگ کی طرف سے ان
کی خدمت میں کشمیر جنت نظیر کا بنا ہوا ایک پیڈ
پیش کیا گیا ۔
ہمیں ان سے مل کر جو خوشی ہوئی وہ ہم
بیان نہیں کر سکتے ۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ وہ
بھی ہم سے مل کر بہت خوش ہوئیں ۔

لوگ کہتے ہیں کہ خالدہ خانم میں بہت
سی خوبیاں ہیں اور اس میں شک بھی کیا ہے
خوبیوں اور اچھائیوں کی وجہ سے تو آدمی
بڑا بنتا ہے کہ سب اس کی عزت کرتے ہیں ۔
مگر جناب مجھے تو ان کی ایک بات سب سے
اچھی لگی اور وہ یہ کہ وہ ہم بچوں سے بڑی ہی
محبت اور پیار سے ملتی ہیں ۔ بس یہی چیز ہے
جس کی وجہ سے ہم انہیں ہمیشہ یاد رکھیں گے

لطیفے

لڑکا :۔ اماں اگر کوئی تمھارا آئینہ توڑ دے تو تم اسے کیا سزا دو گی
ماں :۔ (غصہ سے) میں اسے خوب پیٹوں گی
لڑکا :۔ تو اماں ابھی ابا نے تمھارا آئینہ توڑ دیا ہے

بہن :۔ موتی موتی ۔ دیکھ بھیا باغ میں گائے گھس آئی ۔
موتی :۔ تو بہن جلدی کرو دودھ دوہ لیں ۔

لالچ کا انجام

ایک گاؤں میں ایک ہی نام کے دو آدمی رہتے تھے۔ ایک کا نام تھا چھوٹا کلاز اور دوسرے کا نام بڑا کلاز۔ چھوٹا کلاز ایک غریب آدمی تھا اور اس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا بڑا کلاز بہت امیر تھا اور اس کے پاس چار گھوڑے تھے۔ ہر ہفتے چھوٹا کلاز کھیت بونے کے واسطے اپنا گھوڑا بڑے کلاز کو دیتا تھا۔ اور بڑا کلاز صرف ایک دن کے لئے اپنے چاروں گھوڑے چھوٹے کلاز کو دے دیتا تھا۔

جب چھوٹا کلاز ہل چلاتا تو گھوڑوں سے کہتا "بڑھے چلو میرے پانچوں گھوڑو" بڑا کلاز اس بات پر ناراض ہو کر کہتا کہ یہ مت کہو کیوں کہ تمھارا تو صرف ایک ہی گھوڑا ہے" لیکن چھوٹے کلاز کی زبان سے پھر یہی نکلا۔ اس پر بڑے کلاز کو غصہ آیا اور اس نے ایک ہتھوڑی لے کر چھوٹے کلاز کے گھوڑے کو مار ڈالا۔

چھوٹے کلاز کو اپنے گھوڑے کے مرنے کا بہت رنج ہوا، مگر بے چارا کر ہی کیا سکتا تھا اس نے گھوڑے کی کھال اتار کر ایک تھیلے میں رکھی اور اسے بیچنے چلا کہ شاید اسی کے کچھ دام اُٹھ آئیں۔ چلتے چلتے رات ہو گئی۔ اور وہ راستہ بھول گیا۔ اس نے سوچا کہ یہیں گھاس کے جھونپڑے میں سو جاؤں۔ چنانچہ وہ وہاں لیٹ رہا۔ وہاں پاس ہی اسے ایک کسان کا گھر نظر آیا جس میں ایک عورت ایک پادری کے ساتھ بیٹھی مچھلی اور گوشت کھا رہی تھی۔ مزے دار چائے بھی بنی ہوئی سامنے رکھی تھی۔

اتنے میں کسان واپس آگیا۔ اس عورت کو معلوم تھا کہ کسان کی پادری سے لڑائی ہے اس لئے اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے پادری کی کیتلی

الماری میں چھپادی کھانے کی سب چیزیں الماری میں رکھ دیں اور پادری کو ایک بڑے سے صندوق میں بند کر دیا

چھوٹا کلاز یہ سب باتیں سن کر ہنس پڑا۔

کسان نے اس کی آواز سن لی اور اس کو اپنے ساتھ کھانا کھلانے کی دعوت دی۔ جب چھوٹا کلاز اور کسان کھانا کھانے بیٹھے تو وہ عورت ایک بہت بڑی رکابی میں دلیا لائی۔ چھوٹے کلاز کو دلیا اچھا معلوم نہ ہوا۔ اس لئے اس نے یہ ترکیب کی کہ اپنے گھوڑے کی کھال کے تھیلے کو پاؤں سے دبایا اس میں سے بہت زور کی آواز نکلی۔

کسان نے گھبرا کر پوچھا" یہ کیا ہے"

چھوٹے کلاز نے جواب دیا۔" اس بوری میں ایک جادوگر ہے اور وہ کہتا ہے کہ اس نعمت خانے میں ہمارے لئے بہت اچھا کھانا رکھا ہے" کسان نے کہا یہ بڑی عجیب بات ہے اور نعمت خانہ کھولا۔ اس میں سے جو اچھی چیزیں اس عورت نے چھپائی تھیں وہ سب اسے مل گئیں۔ چھوٹے کلاز نے پوچھا" کہ جادوگر اب کیا کہتا ہے"

چھوٹے کلاز نے کہا" وہ کہتا ہے کہ الماری میں ہمارے لئے بہت عمدہ چار بھی رکھی ہے"

کسان نے پھر کہا عجیب بات ہے اور الماری کھول کر جو چار اس عورت نے چھپائی تھی وہ نکال لایا

جب دونوں کھاپی کر فارغ ہوئے اور چار کا دور چلنے لگا تو باتوں باتوں میں کسان نے پوچھا۔ کیوں میاں ہم اس جادوگر کو دیکھ بھی سکتے ہیں

چھوٹے کلاز نے کھال کو پیر سے دبا کر کہا۔ بے شک وہ کہتا ہے کہ اگر تم اس بڑے صندوق کے اندر جھانکو تو تم اسے پادری کے بھیس میں دیکھ لوگے۔

کسان نے صندوق میں جھانکا اور پادری کو اس میں دیکھ کر ڈر کے مارے جلدی سے ڈھکنا بند کر دیا۔

کسان نے چھوٹے کلاز سے کہا" تمھارا جادوگر کیسا کراماتی ہے۔ اگر یہ میرے پاس ہو تو پھر میں ہرگز کوئی کام نہ کروں۔ کیا تم اشرفیوں

کی ایک تھیلی لے کر اُسے میرے ہاتھ بیچنے کو تیار ہو؟
اور چاہو تو ساتھ میں اس صندوق کو بھی لے جاؤ
اور ندی میں پھینک دو۔

چھوٹا کلاز اس پر راضی ہوگیا اور کسان نے ایک گاڑی پر اشرفیوں کی تھیلی اور صندوق کو رکھ دیا۔ چھوٹا کلاز اسے ڈھکیلتا ہوا ندی پر لایا۔ اور وہاں پہنچ کر بلند آواز سے کہا۔ اب میں اس صندوق کو ندی میں پھینکتا ہوں۔ اندر سے پادری گھبرا کر بولا۔ خدا کے واسطے ایسا نہ کرو مجھے باہر نکالو، میں بھی تمھیں اشرفیوں کی تھیلی دوں گا۔

چھوٹے کلاز نے اسے باہر نکال دیا اور دو تھیلیاں اشرفیوں کی لے کر خوش خوش گھر واپس آگیا۔

جب بڑے کلاز نے اسے دیکھا تو تعجب سے پوچھا کہ تمھیں اس قدر اشرفیاں کہاں سے مل گئیں۔

چھوٹے کلاز نے کہا۔ میں نے اپنے گھوڑے کی کھال بیچی تھی۔

بڑے کلاز بے وقوف نے یہ سنتے ہی فوراً اپنے چاروں گھوڑوں کو مار ڈالا۔ اور کھال لے کر موچیوں کے پاس گیا۔ جب انھوں نے قیمت پوچھی تو اس نے کہا کہ ہر کھال کی قیمت اشرفیوں کی دو تھیلیاں ہوگی۔

موچیوں نے کہا چلو ہوش کی دوا کرو ہم ایسے بے وقوف نہیں ہیں۔ جب اس نے بہت اصرار کیا تو انھوں نے بڑے کلاز کو اتنا مارا کہ اس کا بدن نیلا ہوگیا۔

گھر واپس آکر بڑے کلاز نے چھوٹے کلاز کو پکڑ کر ایک تھیلے میں بند کر دیا اور کہا کہ اب تم میرے ساتھ کوئی چال نہ کر سکوگے میں تمھیں جاکر ندی میں ڈبوتا ہوں۔

ندی بہت دور تھی۔ بڑا کلاز تھیلا اٹھائے ہوئے چلا جا رہا تھا وہ بہت تھک گیا اور ایک سرائے کے باہر تھیلا رکھ کر خود پانی پینے اندر گیا۔

اتنی دیر میں ایک بوڑھا چرواہا بہت سے ریوڑ کے ساتھ وہاں سے گذرا۔ اور اس نے چھوٹے کلاز کو یہ کہتے سنا کہ اب میرا آخری وقت آگیا ہے اور میں جنت کو جا رہا ہوں۔

بوڑھے آدمی نے یہ سن کر کہا۔ کاش میں جنت کو جا سکتا کیونکہ میں زندگی سے تنگ آ گیا ہوں۔"

چھوٹا کلاز تھیلے کے اندر سے بولا کہ اگر یہی بات ہے تو تم تھیلا کھول کر میری جگہ اندر آ جاؤ پھر تم سیدھے جنت کو چلے جاؤ گے۔

بوڑھے چرواہے نے تھیلا کھول کر چھوٹے کلاز کو نکال لیا اور خود تھیلے میں گھس گیا اور کہا کہ مجھے باندھ دو اور یہ سب جانور تم لے لو۔ چھوٹے کلاز نے بوڑھے کو باندھ دیا اور خود ریوڑ لے کر گھر چل دیا۔ تھوڑی دیر میں بڑا کلاز سرائے سے نکلا اور تھیلا لے جا کر ندی میں پھینک دیا۔ واپس لوٹا تو اس نے دیکھا کہ چھوٹا کلاز بہت سے جانور لئے چلا آ رہا ہے۔ اس نے تعجب سے چلا کر کہا ارے کمبخت تجھے تو میں نے ندی میں پھینک دیا تھا تو یہاں کہاں؟

چھوٹے کلاز نے کہا ہاں تم نے پھینکا تو تھا مگر میں تمھارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیوں کہ میں دریا کی تہ میں نرم گھاس پر جا گرا۔ وہاں ایک پری نے مجھے تھیلے سے نکالا اور میں نے دیکھا کہ میں ایک بہت خوب صورت چراگاہ میں کھڑا ہوں۔ جہاں جانوروں کے بہت سے ریوڑ چر رہے ہیں۔ چنانچہ میں نے وہاں سے یہ ریوڑ لے لیا اور اب اسے گھر پہنچا کر اور لینے جا رہا ہوں۔

بڑے کلاز نے کہا کہ اگر میں ندی میں گر جاؤں تو کیا مجھے بھی ایک ریوڑ مل جائے گا۔

چھوٹے کلاز نے سر ہلا کر کہا "ہاں ضرور مل جائے گا۔"

بڑا کلاز یہ سن کر ندی میں کود پڑا، اور پھر............ بھلا بتاؤ تو سہی اس کا کیا انجام ہوا؟۔

عزیز جہاں بیگم صاحبہ۔ علی گڑھ

ہندوستان کے ٹکٹ

(از جناب شمیم احمد صاحب جامعی)

ٹکٹ جمع کرنے والے بھائیوں نے یہ خبر دل چسپی سے سنی ہوگی کہ ۶ مئی ۱۹۳۵ئہ کو ہندوستان میں نئے یادگاری ٹکٹ جاری ہوں گے۔

انگلستان، ہندوستان اور دوسرے برطانوی ملکوں کے موجودہ بادشاہ جارج پنجم ۶ مئی ۱۹۱۰ئہ کو تخت پر بیٹھے تھے۔ اب ۶ مئی ۱۹۳۵ئہ کو انھیں تخت پر بیٹھے پورے ۲۵ سال ہوجائیں گے یہ بڑی خوشی کی بات سمجھی جاتی ہے اور اس تقریب کو جو اس موقع پر منائی جاتی ہے انگریزی میں سلور جوبلی کہتے ہیں۔ انگریزوں کے یہاں تو خاص طور سے اس کی خوشی منائی جاتی ہے بس اس موقع پر انگلستان اور دوسرے تمام ملکوں میں جو برطانیہ کے ماتحت ہیں۔ یادگاری ٹکٹ جاری ہوں گے۔ اور ان کی قیمتیں یہ ہوں گی ـر، ۰ر، ـر، ار، ۲، ۰ر، ۳، ۰ر اور عہ ر۔ ٹکٹ جمع کرنے والے بھائیوں کو چاہیے کہ جتنے ٹکٹ جمع کر سکتے ہوں جمع کریں۔ ممکن ہو تو ہر قیمت اور ہر نمونے کے کچھ ایسے ٹکٹ بھی خرید لیں جو استعمال نہ ہوئے ہوں۔

پچھلے پرچے میں ہم نے ان ریاستوں کا ذکر کیا تھا جو یا تو خود اپنے ٹکٹ تیار کرتی ہیں یا انگریزی ڈاک خانے کے ٹکٹوں پر اپنا نام چھاپ دیتی ہیں کچھ ریاستوں کا حال باقی رہ گیا تھا وہ ہم یہاں لکھتے ہیں۔

چرکھاری:۔ یہ حکومت ہند کے ماتحت بندیل کھنڈ کی ایک ریاست ہے۔

۱۸۹۴ئہ سے یہاں ٹکٹ جاری ہیں یہاں کے ٹکٹوں پر دو تلواروں کی تصویر بنی ہوئی ہے۔

چمبہ:۔ یہ ریاست پنجاب میں کشمیر کے جنوب مشرق (دکھن، پورب) واقع ہے سنہ ۱۸۴۶ء میں حکومت ہند کے ماتحت ہوگئی۔

یہاں سنہ ۱۸۸۶ء سے برطانوی ٹکٹ پر ریاست کا نام چھپتا ہے۔

حیدرآباد:۔ یہ دکن کی مشہور اسلامی ریاست ہے جس کے فرماں روا ساتویں آصف جاہ عثمان علی خاں ہیں

یہاں سنہ ۱۸۶۹ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں یہاں کے ٹکٹ بہت معمولی ہوتے تھے مگر اب بہت خوب صورت ہوتے ہیں مختلف ٹکٹوں پر مختلف عمارتوں کی تصویریں بنی ہوتی ہیں اور اوپر سرکار آصفیہ لکھا ہوتا ہے۔

دتیا:۔ اس ریاست کے راجہ ہندو ہیں یہاں سنہ ۱۸۹۳ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

دھار:۔ یہ بھوپاوار ایجنسی کے ماتحت وسط ہند میں ایک ریاست ہے۔

یہاں سنہ ۱۸۶۷ء سے سنہ ۱۹۰۱ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے

راج پیپلا:۔ یہ بمبئی کی ایک ریاست ہے جو ریواکانٹا پولیٹیکل ایجنسی کے ماتحت ہے اس کا دارالسلطنت شہر نندود ہے۔

یہاں صرف سنہ ۱۸۸۰ء سے سنہ ۱۸۸۸ء تک ٹکٹ جاری رہے۔

نندگام:۔ یہ صوبہ متوسط کے ضلع رائے پور کی ایک چھوٹی ریاست ہے

یہاں صرف فروری سنہ ۱۸۹۲ء سے جولائی سنہ ۱۸۹۵ء تک ٹکٹ جاری رہے۔

سرمور:۔ یہ پنجاب کی ایک ریاست ہے

یہاں سنہ ۱۸۹۷ء سے سنہ ۱۹۰۲ء تک ٹکٹ جاری رہے۔

سورت:۔ یہ کاٹھیاواڑ کی ایک اسلامی ریاست ہے۔ اس کا دارالسلطنت شہر جوناگڈھ ہے۔

یہاں سنہ ۱۸۶۴ء سے ٹکٹ جاری ہیں۔ یہاں کے ٹکٹ اچھے ہیں۔ ایک آنے والے ٹکٹ پر نواب سر رسول خاں والی ریاست کی تصویر ہے

فرید کوٹ :- یہ پنجاب کی ایک ریاست ہے اور حکومت پنجاب کے ماتحت ہے۔

۱۸۷۹ء سے ۱۸۸۶ء تک ٹکٹ جاری رہے۔ اس کے بعد ۱۹۰۱ء تک انگریزی ٹکٹ پر ریاست کا نام چھپتا رہا اس کے بعد یہ بھی ختم ہو گیا۔

کشمیر اور جموں :- شمالی ہند کی مشہور ریاست ہے اسے پنجاب کی پہلی لڑائی ۱۸۴۶ء کے بعد گلاب سنگھ نے لارڈ ہارڈنگ کو دے دیا تھا اس کا دار السلطنت شہر سری نگر ہے۔

یہاں ۱۸۶۶ء سے ۱۸۹۴ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔

کشن گڈھ :- یہ راجپوتانہ کی ایک دیسی ریاست ہے جو حکومت ہند کے ماتحت ہے اس کا دار السلطنت شہر کشن گڈھ ہے۔

یہاں ۱۸۹۹ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں۔

کوچین :- صوبہ مدراس کی مشہور ریاست ہے اور حکومت ہند کے ماتحت ہے۔ اس کا دار السلطنت شہر ارنا کالم ہے۔

یہاں کا سکہ حسب ذیل ہے:-

۱۲ پائی = ۱ پتن = ایک آنہ

یہاں ۱۸۹۲ء سے اپنے ٹکٹ جاری ہیں

گوالیار :- یہ وسط ہند کی ایک مشہور ریاست ہے جو حکومت ہند کے ماتحت ہے۔

یہاں ۱۸۸۶ء سے انگریزی ٹکٹ پر ریاست کا نام چھپتا ہے۔

لاس بیلہ :- یہ بلوچستان کی ایک چھوٹی سی ریاست ہے۔ اس کا دار السلطنت شہر بیلہ ہے۔

یہاں ۱۸۹۷ء سے ۱۹۰۷ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔

نابھا :- یہ پنجاب کی ایک دیسی ریاست ہے جو حکومت ہند کے ماتحت ہے۔ اس کا دار السلطنت شہر نابھ ہے۔

یہاں ۱۸۸۵ء سے انگریزی ٹکٹ پر ریاست کا نام چھپتا ہے۔

نوانگر :- یہ کاٹھیاواڑ کی ایک دیسی ریاست ہے۔ یہاں کے والی ریاست جام صاحب کہلاتے ہیں۔ اور کرکٹ کے مشہور کھلاڑی ہیں اس کا دارالسلطنت شہر نوانگر ہے۔

یہاں ۱۸۷۷ء سے ۱۸۹۵ء تک اپنے ٹکٹ جاری رہے۔

دادھون :- یہ بھی کاٹھیاواڑ کی ایک ریاست ہے۔

یہاں ۱۸۸۸ء میں اپنے ٹکٹ جاری ہوئے تھے۔

اس کے علاوہ اور کسی ریاست میں کبھی ٹکٹ جاری نہیں ہوئے۔ ہم نے ریاستوں کا حال بہت مختصر لکھا ہے۔ ضرورت ہے کہ ان کو تفصیل سے لکھا جائے۔ اس لئے ٹکٹ جمع کرنے والے بھائی اگر کسی ریاست میں رہتے ہیں تو وہ اپنی اپنی ریاست کے حالات تفصیل سے لکھ کر ایڈیٹر صاحب پیام تعلیم کے پاس بھیج دیں مضمون لکھتے وقت ان باتوں کا خاص طور پر خیال رکھیں۔

ریاست کب سے قائم ہے۔ کب اور کس طرح انگریزوں کے اثر میں آئی۔ موجودہ فرمانروا کا نام، مشہور مشہور شہر کون ہیں۔ کس کس قیمت کے اور کس رنگ کے ٹکٹ جاری ہیں

صوبہ متحدہ اور صوبہ بہار اڑیسہ کے شمال میں ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کو نیپال کہتے ہیں۔ یہ ہمالیہ کی ترائی میں واقع ہے۔ ہمالیہ کی سب سے بلند چوٹیاں مونٹ ایورسٹ اور دھولاگری اسی میں واقع ہیں۔

یہ ایک قسم کا آزاد ملک ہے اگرچہ برطانوی اثر سے یہ بھی بچا ہوا نہیں ہے۔ یہاں کے لوگ بہت طاقتور اور وفادار ہوتے ہیں۔ اسی لئے یہاں سے ہر سال ہندوستانی فوج میں بھرتی

کئے جاتے ہیں۔ ان کو گورکھا پلٹن کہتے ہیں۔
جنگ عظیم کے زمانے میں نیپال نے اپنی ساری فوج برطانیہ کو پیش کر دی تھی۔ ان باتوں کے معاوضے میں انگریزی حکومت نیپال کی حکومت کو ۱۰ لاکھ روپیہ سالانہ ادا کرتی ہے

اس ملک کا ایک بادشاہ ہوتا ہے اور وہ ایک وزیر اعظم مقرر کرتا ہے۔ جو حکومت کے کام چلاتا ہے۔ اس کی راج دھانی کھٹمنڈو ہے (شہر کے نام پر ہنس نہ پڑنا)

یہاں بھی ڈاک کے ٹکٹ ۱۸۸۱ء سے جاری ہیں۔ گرچہ ٹکٹ معمولی ہوتے ہیں لیکن کمیاب ہونے کی وجہ سے قیمتی ہوتے ہیں، ان پر ہندی میں ملک کا نام اور قیمت لکھی ہوتی ہے

ہندوستان میں تھوڑا سا حصہ پرتگیزیوں کا اور اس سے کم فرانسیسیوں کا بھی ہے

شروع میں یعنی تقریباً دو سو برس پہلے ان کے قبضے میں انگریزوں کے مقابلے میں ہندوستان کا بہت سا علاقہ تھا مگر یہ برابر انگریزوں سے ہارتے رہے اسی لئے اب بہت ذرا سا ٹکڑا ان کے پاس رہ گیا ہے۔

پرتگیزیوں کا قبضہ ایک ہزار مربع میل سے کچھ زیادہ ہے۔ جن جگہوں پر ان کی حکومت ہے ان کے نام یہ ہیں۔ (۱) گوا۔ بمبئی سے دکھن واقع ہے (۲) ڈیو۔ ایک جزیرہ ہے (۳) ڈمن۔ یہ ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ یہ دونوں گلف آف کیمبے کے پاس ہیں۔ ان کو نقشے میں ڈھونڈو۔ حکومت پرتگال نے ان جگہوں میں بھی علیحدہ ٹکٹ ۱۸۷۱ء سے جاری کر رکھے ہیں۔

فرانسیسیوں کا قبضہ صرف دو سو مربع میل پر ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔
(۱) چندر نگر۔ دریائے ہگلی (بنگال) پر واقع ہے
(۲) ینائوں۔ دریائے گوداوری کے ڈیلٹا میں ساحل پر۔ (۳) پانڈیچیری۔ صوبہ مدراس میں ساحل پر۔ یہاں فرانسیسی گورنر رہتا ہے۔ (۴) کاریکال یہ بھی صوبہ مدراس میں ساحل پر واقع ہے۔
(۵) ماہی ساحل مالابار پر میسور سے جنوب (مغرب (دکھن، پچھم) میں واقع ہے۔

یہاں بھی ۱۸۹۲ء سے ڈاک کے ٹکٹ جاری ہیں

رحیم الدین - جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

رشید اور مشتاق دونوں ایک ہی درجے میں پڑھتے تھے - رشید شہر کے سب سے مال دار سوداگر کا اکلوتا لڑکا تھا - خوب عیش سے زندگی گذرتی تھی ، ہزاروں روپے خرچ کر دینا اس کے لئے معمولی بات تھی - مال دار ہونے کی وجہ سے اس میں طرح طرح کی خرابیاں بھی پیدا ہو گئی تھیں - سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ اسے اپنے دولت مند ہونے کا بڑا گھمنڈ تھا اس کے مقابلے میں مشتاق ایک غریب آدمی کا لڑکا تھا مگر بڑا ہنس مکھ اور خوش مزاج پڑھنے لکھنے میں بھی اسکول بھر میں سب سے اچھا - ہر امتحان میں اول آتا - ان ہی اچھائیوں کی وجہ سے وہ تمام مدرسے میں سب سے زیادہ ہر دل عزیز تھا - تمام استاد اور طالب علم اس سے دل سے محبت کرتے تھے رشید کو مشتاق پر بہت رشک آتا تھا - رشید اس قدر تو مال دار تھا پھر بھی اسکول میں جتنے دوست مشتاق کے تھے رشید کے اس سے آدھے بھی نہیں تھے - ان سب باتوں کی وجہ سے اب وہ مشتاق سے جلنے لگا - ہمیشہ اس فکر میں رہتا کہ کسی طرح مشتاق کو ذلیل کرے - مگر ہر دفعہ اس کو منہ کی کھانی پڑتی -

ایک دن صبح کی دعا کے بعد ہمارے ہیڈ ماسٹر صاحب نے تھوڑی دیر کے لئے ہم سب کو روک لیا اس زمانے میں بہار کے زلزلے کا واقعہ بالکل نیا تھا اور بہار کے مصیبت زدہ لوگوں کے لئے ہر جگہ چندہ ہو رہا تھا - ہیڈ ماسٹر صاحب نے پہلے تو بہاریوں کی مصیبتوں کا ذکر کیا جن پر زلزلے نے یہ آفت ڈھائی تھی کہ گھر سے بے گھر کر دیا تھا پھر ان کی مدد کے لئے چندہ مانگا - ہم میں سے

ہر ایک نے اپنی اپنی جیبوں کی تلاشی لی۔ اکثر نے تو جو کچھ ان کے پاس تھا سب دے دیا۔ بہت سوں نے دوسرے دن کا وعدہ کیا اس طرح جو کچھ رقم جمع ہوئی وہ بہت کم تھی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے پھر کھڑے ہو کر فرمایا۔ عزیزو! تم روزانہ اچھی خاصی رقم اپنی تفریحوں میں خرچ کر ڈالتے ہو مگر جب تم سے بہار کے مصیبت زدہ بھائیوں کے لئے چندہ مانگا گیا تو تمھارے ہاتھ جیبوں سے باہر نہیں نکلتے یہ کس قدر شرم کی بات ہے کہ آٹھ سو طالب علم پچاس روپے بھی جمع نہیں کر سکتے۔ اس پر تھوڑی سی رقم اور جمع ہوئی رشید نے ابھی تک کچھ نہیں دیا تھا۔ حالانکہ اس کے پاس اس وقت بھی کئی نوٹ تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر چاہے تو اکیلا رشید اس رقم کو دگنا کر سکتا ہے انھوں نے رشید کی طرف اشارہ کیا اس نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر ان کی طرف پھینک دیا۔ روپے کو دیکھ کر ہیڈ ماسٹر صاحب جل ہی تو گئے۔ انھوں نے کہا۔ رشید تمھیں ایک روپیہ دیتے شرم نہیں آتی۔ مشتاق کو دیکھو اس غریب نے ایک مہینے کا پورا وظیفہ چندے میں دے دیا ہے مشتاق کو نیچا دکھانے کا یہ بہت اچھا موقع تھا۔ وہ جلدی سے بول اٹھا "میں مشتاق سے دگنا دینے کے لئے تیار ہوں" مشتاق بھی وہاں موجود تھا اس نے رشید کی بات کاٹتے ہوئے کہا "میں بالکل تیار ہوں تم بھی اپنے وعدے پر قائم رہنا" رشید نے کہا۔ ہاں ہاں میں اپنا وعدہ پورا کروں گا" مشتاق خاموش رہا۔ اور جلسہ ختم ہو گیا۔ اس دن ۳۱ مارچ تھی۔

پہلی اپریل کی صبح کو تمام شہر میں دیواروں پر بڑے بڑے اشتہار لگے تھے جن میں اس بات کا اعلان تھا کہ آج رات کو ۸ بجے ہمارے اسکول میں ڈرامہ ہوگا، اور داخلے کا ٹکٹ ۸ر ہوگا۔ ڈرامہ کرنے میں ہمارا اسکول بہت کافی شہرت رکھتا تھا اور چوں کہ بہت دنوں سے ڈرامہ ہوا بھی نہیں تھا اس لئے لوگوں نے اس اعلان کو بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھا۔

سب مجھے اس اعلان سے بڑی حیرانی ہوئی۔ کیوں کہ

اسکول میں ڈرامے کی جو انجمن ہے اس کا میں بھی ممبر
تھا مگر مجھے اس ڈرامے کی بالکل خبر نہ تھی نہ تو کسی قسم
کی مشق کی گئی تھی اور نہ کوئی خاص تیاری ہوئی تھی
بہت سے طالب علم اس اعلان کے بارے میں پوچھنے کے
لئے میرے پاس آئے میں انھیں ماسٹر چندولال کے پاس
لے گیا وہ اس انجمن کے صدر تھے مگر انھوں نے بھی اپنی
لاعلمی ظاہر کی اس پر ہمیں اور بھی تعجب ہوا انھوں
نے کہا کہ میں بس اتنا جانتا ہوں کہ کل چھٹی کے بعد
مشتاق میرے پاس آئے تھے اور آج رات کے
لئے تھیٹر ہال استعمال کرنے کی اجازت چاہی
تھی" اب ہم سب مشتاق کے گھر چلے۔ مگر وہ گھر پر
موجود نہ تھا راستے میں رشید سے ملاقات ہوئی اس
سے ہم نے مشتاق کا پتہ نشان پوچھا وہ کہنے لگا جس
وقت سے میں نے اس کی خبر لی ہے وہ مجھ سے نہیں
ملا ہے یہ کہہ کر وہ اکڑتا ہوا چلا گیا۔ ہم حیران تھے
کہ آخر اس کا مطلب کیا ہے۔

شام آپہنچی اور ہم سب تھیٹر ہال کی طرف
روانہ ہوگئے۔ ہم لوگ بہت پہلے سے پہنچ گئے
تھے۔ پھر بھی تمام ہال بھرا ہوا تھا اور لوگ برابر
چلے آرہے تھے۔ ہال سے ملے ہوئے کمرے کھول
دے گئے تھے۔ رشید سب سے اگلی صف میں بڑی شان
سے بیٹھا تھا۔ منہ میں سگار دبا ہوا تھا اور خوب
دھوئیں اڑا رہا تھا۔

لیجئے پہلی گھنٹی بجی اور ہم لوگ تیار ہوگئے دوسری
گھنٹی پر تمام ہال میں سناٹا چھا گیا تیسری پر پردہ آہستہ
آہستہ اٹھنا شروع ہوا مشتاق اسٹیج پر کھڑا تھا۔ ہاتھ
میں لمبی سی لکڑی تھی اس سے وہ ایک کپڑے کی
طرف اشارہ کر رہا تھا جس پر موٹے موٹے حرفوں میں
اپریل فول لکھا تھا ہال تالیوں اور قہقہوں کی
آواز سے گونج اٹھا۔ مشتاق آگے بڑھا اور جب خاموشی
چھا گئی تو جھک کر حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور اعلان
کیا کہ "آج کی آمدنی تقریباً ۵۰۳ روپیے ہوئی ہے۔ یہ
سب کی سب بہار کے زلزلے کے چندے میں بھیج جائیگی"

لوگوں نے پہلے سے بھی زیادہ زور سے تالیاں بجائیں۔ آخر میں مشتاق
نے یہ بھی اعلان کیا کہ اپنے وعدے کے مطابق میرے معزز دوست
مسٹر رشید اس کی دوگنی رقم اس چندے میں دیں گے"۔ یہ سن
کر ہر شخص رشید کی طرف دیکھنے لگا۔ رشید پر یہ بہت
سخت حملہ تھا۔ اس کا منہ سفید پڑ گیا۔ اور سگار ہاتھ سے چھوٹ
کر زمین پر گر گیا۔

(ترجمہ)

لال قلعہ

(از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

دہلی کی جامع مسجد کی سیر تو تم نے کر لی اب آؤ، آج ذرا لال قلعہ کی سیر کرائیں۔ اس قلعہ میں بڑی خوب صورت عمارتیں ہیں یقین ہے انھیں دیکھ کر تم بہت خوش ہوگے

دہلی شہر کے بیچ میں ایک مشہور مسجد ہے اسے مسجد فتح پوری کہتے ہیں یہیں سے دہلی کا مشہور بازار چاندنی چوک شروع ہوتا ہے یہ بازار بالکل سیدھا چلا گیا ہے۔ کسی زمانے میں اس کے بیچ میں سے ایک نہر نکلتی تھی۔ نہر کے دونوں طرف بڑے بڑے درخت لگے تھے۔ سڑکیں اور دکانیں تھیں اب یہ نہر بند کر دی گئی ہے۔ درخت کاٹ دیئے گئے ہیں۔ اور سڑک خوب چوڑی نکل آئی ہے۔

جہاں یہ بازار ختم ہوتا ہے بس وہیں سامنے لال قلعہ نظر آتا ہے۔ یہ قلعہ اب سے کوئی تین سو برس پہلے شاہ جہاں بادشاہ نے بنوایا تھا۔ وہی بادشاہ جس نے جامع مسجد بنوائی کہتے ہیں یہ قلعہ ساڑھے گیارہ برس میں بن کر تیار ہوا تھا۔ کام کی نگرانی عزت خان اللہ وردی خاں اور مکرمت خاں کے سپرد تھی اور کاری گروں میں استاد احمد اور استاد حامد نے سب کام کرایا تھا۔ باہر کی فصیلوں اور اندر کی عمارتوں پر سب ملا کر کوئی ایک کرور روپیہ خرچ ہوا تھا۔ اس کی فصیلیں اور اکثر عمارتیں لال پتھر کی بنی ہیں۔ اسی لئے اس کو لال قلعہ کہتے ہیں۔

اگر تم اس قلعہ کے چاروں طرف چکر لگاؤ تو ایسا معلوم ہوگا جیسے تم ڈیڑھ میل چلے بس سمجھ لو کہ یہ کتنا لمبا چوڑا ہے۔ شکل میں یہ ہشت پہلو ہے یعنی اس کے آٹھ کونے ہیں۔ اس مضمون کے

نقشہ لال قلعہ
شاہ برج
موتی محل
ہیرا محل
حمام
دیوان خاص
مثمن برج
خاص محل
رنگ محل
دریا محل
ممتاز محل
خورد جہاں
اسد برج
چوک
چھتہ بازار
دہلی دروازہ

ساتھ ہم نے ایک نقشہ بھی دیا ہے۔ اس نقشے کو دیکھ کر ہشت پہلو تمھاری سمجھ میں آجائے گا۔

قلعہ کی فصیل کے دو طرف بڑا گہرا اور بہت چوڑا خندق ہے جس میں پہلے پانی بھرا رہتا تھا، تاکہ دشمن قلعہ کی دیواروں پر چڑھ کر اندر نہ گھس آئیں۔

اس قلعہ کے دو بڑے بڑے اور مشہور پھاٹک ہیں۔ ایک کا نام دہلی دروازہ ہے اور دوسرے کا نام لاہوری دروازہ۔ دہلی دروازہ کا رُخ پرانی دہلی کی طرف ہے۔ اور لاہوری دروازہ کا رُخ چاندنی چوک کی طرف۔ اب اسی دروازہ سے لوگ زیادہ آتے جاتے ہیں۔

ہاں تو پہلے دو آنے کا ٹکٹ تو خرید لو۔ جب تو اندر جاکر سب کچھ دیکھ سکوگے۔ کیوں کہ بلا ٹکٹ کوئی اندر نہیں جا سکتا ہے ٹکٹ خرید کر جس دروازہ سے تم داخل ہوگے۔ وہ گھونگٹ کا دروازہ کہلاتا ہے۔ یعنی جیسے عورتیں چہرے کے سامنے گھونگٹ کر لیتی ہیں۔ اسی طرح اصل پھاٹک کے سامنے ایک جانب کو جو دروازہ ہوتا ہے اسے بھی گھونگٹ کا دروازہ کہتے ہیں

اس دروازہ کے بعد قلعہ کا اصل پھاٹک پڑتا ہے یہ پھاٹک بڑا خوب صورت اور شاندار بنا ہے۔ اور اس کی تین منزلیں ہیں۔ اس پھاٹک کے بعد ایک بازار پڑتا ہے۔ اسے چھتہ بازار کہتے ہیں۔ یہ بازار اچھا خاصا لمبا ہے۔ دونوں طرف دکانیں ہیں اور سڑک کی چھت پٹی ہوئی ہے البتہ بازار کے بیچوں بیچ روشنی کے لئے ایک کھلا ہوا چوک ہے

اس بازار سے نکل کر ہم کھلے میدان میں پہنچ جاتے ہیں۔ کسی زمانے میں اس میدان کے چاروں طرف بہت سی عمارتیں تھیں لیکن غدر کے بعد یہ سب عمارتیں گرادی گئیں۔ بس سامنے نقار خانے کی عمارت نظر آتی ہے اس پر کسی زمانے میں پانچ وقت نوبت بجا کرتی تھی آج کل اس کے اوپر کے حصے میں فوجی سامان کی نمائش ہوتی ہے۔ طرح طرح کی توپیں، بندوقیں، تلواریں گولے، کارتوس غرض کہ لڑائی کا ہر طرح کا سامان یہاں موجود ہے۔ اور سب لوگوں کو دکھایا جاتا ہے

نقار خانے کے سامنے ہی دیوانِ عام کی عمارت نظر آتی ہے ۔ بیچ میں کھلا ہوا میدان ہے جس پر سبزہ اُگ رہا ہے پہلے اس میدان کے دونوں طرف بھی اچھی اچھی عمارتیں تھیں لیکن اب اُن کا نشان بھی نہیں ملتا ۔

اچھا اب چلو دیوان عام کی سیر کریں اس میں بادشاہ عام دربار کیا کرتے تھے اور ہر فریادی کو اس میں آنے کی اجازت ہوتی تھی ۔ یہ ایک بڑا سا ہال ہے ۔ جو تین طرف سے کھلا ہوا ہے صرف پیچھے کو دیوار ہے ۔ سامنے بڑے بڑے اور خوب صورت در ہیں ۔ کرسی بہت اونچی ہے اور اندر بیسیوں در اور کھمبے ہیں ۔ جس زمانے میں یہاں دربار ہوتا تھا تو فرش پر قیمتی قالین بچھے ہوتے تھے ۔ دیواروں چھتوں اور کھمبوں پر ریشم کے تھان لپٹے ہوتے تھے اور سامنے کے دروں پر مخمل کے پردے پڑے ہوتے تھے غرض کہ خوب سجاوٹ ہوتی تھی ۔ لیکن اب تو بس خالی عمارت ہی عمارت ہے ۔ سجاوٹ کا کہیں نام بھی نہیں ہے ۔

پیچھے کی دیوار کے بیچوں بیچ آگے کو نکلا ہوا ایک بہت اونچا چبوترہ ہے اور اس چبوترے پر پتھر کی بڑی خوب صورت چھتری بنی ہوئی ہے ۔ اس کو نشیمن کہتے ہیں یہیں دربار کے وقت بادشاہ بیٹھا کرتے تھے ۔ اس چبوترے کے پیچھے ایک دروازہ ہے اسی دروازے سے وہ دربار میں داخل ہوتے تھے چبوترے کے نیچے ایک بہت بڑا سنگ مرمر (سفید پتھر) کا تخت پڑا ہے کہتے ہیں کہ اس تخت پر کھڑے ہو کر وزیر لوگوں کی عرضیاں بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے ۔

خوب صورتی اور کاری گری کے لحاظ سے یہ چبوترہ دیکھنے کے قابل ہے ۔ سفید پتھر میں دوسرے رنگوں کے پتھر جڑ کر ایسے بیل بوٹے بنائے گئے ہیں کہ ہو بہو اصلی معلوم ہوتے ہیں ۔ اس قسم کے کام کو پچی کاری کہتے ہیں چھتری میں بھی ایسے ہی پھول بیل بنے ہیں ۔ انھیں دیکھ کر لوگ دنگ رہ جاتے ہیں ۔ بس ایسا لگتا ہے جیسے چاروں طرف ایک باغ کھلا ہو ۔

سرسلیم اللہ مسلم یتیم خانہ ڈھاکہ کے رنگائی اور بنائی کے کارخانے -

سرسلیم اللہ مسلم یتیم خانے کے بچوں کی بوائے اسکاوٹ کی جماعت

لیکن اس سے بڑھ کر پیچھے کی دیوار میں پچے کاری کی گئی ہے اس میں سنگ موسیٰ (کالے پتھر) کی تختیاں جڑی ہیں ۔ اور ان تختیوں میں طرح طرح کی چڑیوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں ۔ یہ تصویریں ایسی عمدہ ہیں کہ چڑیاں بالکل زندہ معلوم ہوتی ہیں اور یہ خیال ہوتا ہے کہ اس ڈالی پر سے یہ چڑیا اب پھُر سے اُڑی اور اس ڈالی پر سے وہ چڑیا اب پھُر سے اُڑی ، ایک تصویر اس میں اور بھی بہت عمدہ ہے ۔ ایک آدمی کھڑا کوئی باجا بجا رہا ہے شیر اور جنگل کے دوسرے جانور اس کے باجے سے اتنے مست ہو گئے ہیں کہ اس کے پاؤں میں لوٹ رہے ہیں یہ تصویر لوگ اکھاڑ کر لندن لے گئے تھے لیکن بعد میں پھر وہاں سے منگا کر یہیں جڑ دی گئی ۔

اچھا اب تم تھک گئے ہوگے اس لئے قلعے کی باقی سیر پھر کرائیں گے ۔

کام کی باتیں

(از محمد عبد العظیم عظیم متعلم جماعت دہم مدرسہ فوقانیہ کھمم مٹھ)

۱۔ دھندلی روشنی میں پڑھنے سے نظر کمزور ہو جاتی ہے اور چہرے پر جھریاں پڑ جاتی ہیں

۲۔ کسی کو غش آ جائے تو پیٹ کے بل لٹا کر کپڑے ڈھیلے کر دو۔

۳۔ جن لوگوں کو دل کی بیماری ہو۔ ان کے لئے باتیں کرنا مفید ہے ۔

۴۔ غصے کی حالت میں پانی پینا یا بیٹھ جانا چاہیے ۔

۵۔ شہد اور گھی ملا کر کھانے سے مرض فالج کا اندیشہ رہتا ہے ۔

بلی خالہ

(سید غلام زین العابدین فرسٹ ایر مارس کالج۔ ناگپور)

کالج سے میں ۳ بجے مکان آیا۔ کتابیں رکھیں۔ کپڑے بدلے اور ناشتہ کیا۔ تکان کی وجہ سے طبیعت کچھ پریشان معلوم ہورہی تھی۔ اس لئے صحن میں کیرم کھیلنے بیٹھ گیا۔ ابھی دو ہی بورڈ کھیلے تھے کہ باورچی خانے سے کچھ آواز آئی اور دیر تک آتی رہی اس کے بعد کسی بڑی چیز کے گرنے کا شور ہوا۔ ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں اقبال دوڑتا ہوا آیا اور گھبرائی ہوئی آواز میں کہنے لگا" ماموں جان۔ بلی کی جان بچائیے بلی کی جان بچائیے" میں فوراً باورچی خانے کی طرف گیا۔ وہاں پہنچ کر کیا دیکھتا ہوں کہ بلی کی کھوپڑی لوٹے کے اندر! یا اللہ، یہ کیا مصیبت!

ہمارے ہاں کئی بلیاں ہیں اور انھوں نے ہمیں بہت پریشان کر رکھا ہے۔ جب دیکھو گھر میں موجود۔ اور اس بات کی منتظر کہ کوئی کھانے کی چیز ہاتھ لگ جائے۔ اگر کبھی غلطی سے باورچی خانے کا دروازہ کھلا رہ جائے یا کوئی کھانے کی چیز باہر رکھ دی جائے تو ان کمبختوں کی عید ہوجاتی ہے۔ آج مجھے ناشتہ دینے کے بعد باورچی خانے کا دروازہ غلطی سے کھلا رہ گیا بس پھر کیا تھا بلی خالہ فوراً اندر داخل ہوگئیں۔ الماری کے ایک کونے میں المونیم کے لوٹے میں کچھ دودھ تھا ان خالہ کی ناک تک اس کی خوشبو پہنچ گئی۔ اور وہ الماری پر چڑھ گئیں۔ اس لوٹے کا منہ کافی چھوٹا تھا انھیں اس وقت یہ بھی خیال نہ ہوا کہ اس میں منہ آسانی سے جا بھی سکتا ہے یا نہیں۔ لالچ میں انھوں نے بڑی تیزی سے اپنا سر لوٹے میں داخل کر دیا اور غٹا غٹ سارا دودھ چڑھا گئیں۔ جب دودھ ختم ہوگیا تو بلی خالہ نے اپنی کھوپڑی باہر نکالنا چاہی مگر توبہ کرو وہ کب

نکلتی ہے۔ بہت کوشش کی مگر بے کار۔ پھر تو وہ گھبرائیں اور ادھر ادھر کودنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ انھوں نے کئی برتن گرائے اور بعد میں خود بھی نیچے گر پڑیں یہی آواز تھی جسے سن کر میں کیرم کھیلتے وقت چونکا تھا۔

ہم لوگ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خالہ اپنی کھوپڑی لوٹا سمیت زمین پر پٹک رہی ہیں لوٹا کوئی شیشے یا چینی کا تو تھا نہیں کہ پٹکنے سے ٹوٹ جاتا اور وہ آزاد ہو جاتیں۔ سوائے اس کے کہ اس منظر کو دیکھ کر ہنستے اور کیا ہو سکتا تھا تمام گھر والے ہنس رہے تھے اور ان میں میں بھی شریک تھا۔ جب بلی زیادہ گھبرانے لگی تو مجھے بہت برا معلوم ہوا اور اس کی پریشانی دیکھ کر مجھے اپنا آٹھ برس پہلے کا واقعہ یاد آگیا اور وہ یہ تھا کہ:۔

بچپن میں میں بہت شریر تھا، مری شرارتوں سے تمام گھر بہت پریشان رہتا تھا۔ ایک دن کیا ہوا کہ صحن میں ایک چھوٹی دیگ رکھی ہوئی تھی میں نے اس میں بیٹھنا چاہا اور بیٹھ گیا۔ لیکن جب نکلنا چاہا تو لاکھ کوشش کی مگر ہل تک نہ سکا بلکہ اور بری طرح پھنس گیا۔ اب تو میں بہت گھبرایا اور اماں کو آواز دی۔ انھوں نے آتے ہی مجھے اس حالت میں دیکھ کر ہنسنا شروع کیا مجھے اس پر غصہ آیا اور میں زور زور سے رونے لگا۔ انھوں نے مجھے نکالنے کی کوشش کی۔ لیکن میں ان سے بھی نہ نکل سکا۔ اب تو وہ بھی گھبرائیں اور والد صاحب کو بلایا۔ دونوں نے میرے نکالنے کی کوشش کی لیکن پھر بھی میں نہ نکلا۔ اب تو والد صاحب کو غصہ آگیا اور انھوں نے مجھے برا بھلا کہنا شروع کیا ان کا ایک جملہ جو انھوں نے اس وقت کہا تھا مجھے اب تک یاد ہے کہ "چولھے میں آگ جلا کر اس دیگ کو اس پر رکھ دو۔ نالائق اپنی شرارت کا مزہ چکھ لے گا" القصہ میں بڑی کوششوں کے بعد اس میں سے نکالا گیا۔

اس وقت یہ واقعہ اور اپنی پریشانی مجھے یاد آگئی اور مجھے محسوس ہوا کہ بلی بھی آخر کار جان دار چیز ہے۔ میری طرح نہیں بلکہ مجھ سے زیادہ وہ گھبرا رہی ہوگی اتنے میں بلی ہم لوگوں کی آہٹ پا کر وہاں سے نکلی اور ادھر ادھر لوٹا سمیت بھاگنے لگی۔

میں بھی ایک کپڑا لے کر اس کے پیچھے دوڑا کہ موقع پاکر اسے پکڑوں اور اس کی جان بچاؤں، پھر یہ ڈر ہوا کہ غصہ کی حالت میں مجھے نوچ نہ ڈالے اس کشمکش میں کوئی دس منٹ گذر گئے۔ اس کی تکلیف بڑھتی گئی۔ لیکن میری ہمت پھر بھی نہ پڑتی تھی اتنے میں آپا بولیں کہ "آپ کے انتظار ہی انتظار میں اس بیچاری کا انتقال ہو رہا ہے" یہ کہہ کر وہ دوڑیں اور اسے کپڑے سے مضبوط پکڑ لیا۔ بلی بھی بالکل خاموش بیٹھی رہی۔ غالباً یہ سمجھی کہ یہ اس کی نجات کا سامان ہے۔ میں نے اس کے سر سے لوٹا کھینچا۔ لیکن وہ نہ نکلا۔ دوبارہ پھر کوشش کی لیکن بے کار۔ اب تو بلی اور بھی گھبرائی اور بھاگنا چاہا۔ مجھے اس وقت ایک ترکیب سوجھ گئی ایک ہاتھ سے تو میں نے لوٹا کھینچنا شروع کیا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن پیچھے ہٹانی شروع کی جس طرح ایک چوڑی والی چوڑی پہنانے وقت دھیرے دھیرے پہننے والی کے چمڑے کو ہٹاتی ہے۔ اس طرح بڑی مشکل سے میں نے اس کی گردن سے لوٹا نکالا۔ جوں ہی اس کا سر لوٹے میں سے نکلا۔ وہ بے تحاشا بھاگی۔ اور ابھی تک اس کا پتہ نہیں۔

ث

لطیفہ

لڑکا:۔ ابا آپ چندلے کیوں ہیں۔

باپ:۔ بات یہ ہے کہ بیٹا میں بچپن میں بڑا ہی نیک اور اچھا لڑکا تھا اور اماں جان خوشی اور پیار میں ہر وقت میرے سر پر ہر وقت ہاتھ سے تھپتھپاتی رہتی تھیں

از جناب ریحانی متھوڈسٹ بوائز اسکول حیدرآباد دکن

ارے آئینے! تیری تعریف ہو کیا ⁂ نہیں ہے صفائی میں کوئی بھی تجھ سا

تجھے صاف ایسا بنایا خدا نے ⁂ نہیں ہے ذرا بھی کہیں داغ دھبا

نہیں گرد کا نام تک تیرے گھر میں ⁂ ہمیشہ نظر آتا ہے صاف ستھرا

نہیں کوئی چیز ایسی روشن جہاں میں ⁂ مری رائے میں تو ہے سورج کا ٹکڑا

گرا ہے کبھی ٹوٹ کر آسماں سے ⁂ کیا تجھ کو دنیا کی سردی نے ٹھنڈا

کیا جب تجھے آسماں کے مقابل ⁂ ستاروں نے حسن اپنا تجھ میں دکھایا

نکالا کبھی تجھ کو جب چاندنی میں ⁂ خوشی سے تری گود میں چاند اترا

ہنسا میں تو پایا تجھے میں نے ہنستے ⁂ چڑایا جو منہ تو نے بھی منہ چڑایا

کسی کی رعایت سے نفرت ہے تجھ کو ⁂ دکھا دیتا ہے کوئی ہوتا ہے جیسا

چلا مدرسے جب کتابوں کو لے کر ⁂ اٹھا کر تجھے اپنے چہرے کو دیکھا

ذرا پونچھ کر منہ کو رومال سے پھر ⁂ کیا الجھے بالوں میں جلدی سے کنگھا

جماعت کے لڑکے لگے منہ کو تکنے

صفائی کا انعام جب میں نے پایا

کتے کا خیال

(رشید الدین صاحب طالب علم اسلامیہ ہائی اسکول بھاٹی گیٹ لاہور)

گرمیوں کے دن تھے۔ دھوپ اور پھر جون کی دھوپ تو تم جانو کتنی تیز ہوتی ہے۔ گویا سورج بادشاہ ان دنوں خوب نہا دھوکر گھر سے نکلتے ہیں۔ ایک دن اسی تپتی دھوپ میں ایک گرمی اور پیاس کا مارا کتا پانی کی تلاش میں ندی کے کنارے چلا آیا۔ پانی کی صورت دیکھتے ہی اس طرح ہڑبڑا کے منہ ندی میں ڈال دیا کہ معلوم ہوتا تھا برسوں کا پیاسا ہے۔ پی چکنے کے بعد بھی سبز گھاس پر لیٹا ہوا للچائی نظروں سے پانی کو تکتا رہا اتنے میں اس نے ایک مچھلی پانی میں تیرتی دیکھی اور اپنے جی میں کہنے لگا۔ کیا اچھا ہوتا جو میں بھی پانی میں رہتا۔ اس قدر تیز دھوپ اور پیاس کی شدت تو برداشت نہ کرنا پڑتی

یہ کہہ کر اپنی آنکھیں بھیچ لیں اور لیٹ گیا اس وقت ایک ملائم سی آواز اس کے کانوں میں آئی "کاش زمین کی سبز گھاس پر لیٹتی تو کیسا اچھا لگتا"۔

یہ سن کر کتا وہاں سے چل دیا راستے میں اس نے ایک پرند کو اڑتے دیکھا جو کہہ رہا تھا:۔ "کاش میں زمین پر رہتا اور اس کتے کی طرح کھیلتا اب مجھے تنکے اکٹھے کرنے پڑیں گے اور بڑی دیر کے بعد جب گھونسلا بن چکے گا تو کہیں چین آئے گا" یہ سن کر کتے کو کچھ صبر سا آگیا اس نے اپنے جی میں سوچا اس دنیا میں تکلیف و آرام اور خوشی و غم ہر ایک کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور میں بھی انھیں میں سے ایک ہوں" یہ سوچ کر خوش خوش اپنے گھر کو چل دیا۔

خط کتابت

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

اب ہمارا پیام تعلیم روز بروز اچھا ہوتا جا رہاہے۔ دہلی کی سیر والا مضمون مجھے بہت ہی اچھا معلوم ہوا۔ مجھے دہلی دیکھنے اور یہاں کی پرانی عمارتوں کی سیر کرنے کا بڑا شوق ہے اپنے ابا جان سے برابر کہتا رہتا ہوں کہ دہلی دکھلائیے مگر انھیں نوکری سے چھٹی ہی نہیں ملتی اب مضمون سے اللہ نے کیا تو دلی کی گھر بیٹھے سیر ہو جائے گی جامع مسجد والا مضمون بہت دل چسپ ہے۔ اور تصویر کے تو کیا ہی کہنے۔ امید ہے کہ اس سلسلے کو آپ آیندہ پرچوں میں بھی جاری رکھیں گے فقط

غیاث الدین ۔ بمبئی۔

(یہ سلسلہ آیندہ بھی جاری رہے گا اطمینان رکھیے (ایڈیٹر)

جناب ایڈیٹر صاحب السلام علیکم

مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے پیام تعلیم کے ٹکٹوں والے مضمونوں کو میں بہت دل چسپی اور غور سے پڑھتا ہوں۔ ان سے مجھے بہت سی نئی باتیں معلوم ہوئیں جو پہلے معلوم نہ تھیں۔ خاص کر ریاستوں کے متعلق اگر آپ یا آپ کے مضمون نگار جناب شمیم صاحب یا اور کوئی پیام بھائی یہ بھی بتادیں کہ ان ریاستوں کے ٹکٹ کس طرح حاصل کئے جاسکتے ہیں تو میں اُن کا بہت بہت شکریہ ادا کروں گا۔ میں ٹکٹوں کا مبادلہ بھی کرتا ہوں

عبدالعزیز ۔ اٹاوہ

امید ہے کہ شمیم صاحب یا اور کوئی پیام بھائی اس معاملے میں عبدالعزیز صاحب کی مدد کریں گے (ایڈیٹر)

گنجائش کم ہونے کی وجہ سے دوسرے خط اگلے پرچے میں شائع ہوں گے۔ معلومات اور پڑھنے کی کتابوں کے صفحے بھی اسی وجہ سے نہ دیے جاسکے ہر کے لئے اگلے پرچے کا انتظار کیجیے (ایڈیٹر)

جنگلی جانوروں کا عجائب خانہ

یہ بُڈھے میاں بڑے سیلانی ہیں ۔ رات دن گھومتے رہتے ہیں ۔ سارنگی بجانے کا شوق ہے ۔ شوقین لوگ دو چار پیسے دے دیتے ہیں ۔ اسی پر ان کی گذر ہے ۔ اس وقت یہ تھکے ہارے ایک سڑک کے کنارے بیٹھے ہیں ۔ کچھ دنوں پہلے وہ ٹھیک اسی جگہ رہ بھی چکے ہیں ۔ اس وقت انھیں اپنے پرانے ساتھی جنگلی جانور یاد آرہے ہیں جن کی وجہ سے ان کا گھر ایک چھوٹا موٹا عجائب خانہ بن گیا تھا ۔ اب ان میں سے صرف ایک کتا رہ گیا ہے ۔ انھوں نے اپنے جی میں کہا کیسا اچھا ہوتا جو اس وقت پرانے دوستوں سے ملاقات ہو جاتی ۔ یہ دعا انھوں نے کچھ ایسی گھڑی سے مانگی کہ فوراً قبول ہوگئی ۔ ذرا غور سے دیکھو تو تصویر میں تمھیں ۔ دو طوطے ، دو بندر ، ایک ہاتھی ، ایک اونٹ ، ایک لومڑی ، ایک شیر اور ایک مگرمچھ نظر آئے گا ۔

پیامِ تعلیم

دھلی

جلد ۱۸	جون سنہ ۱۹۳۵ء	نمبر ۶

فہرستِ مضامین

(پرنٹر و پبلشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی، جامعہ پریس)

قیمت سالانہ عہ | # پیام تعلیم کے نئے خریدار | فی پرچہ ۴ر

جناب مولوی سید معین الدین صاحب (علیگ) مہتمم تعلیمات ضلع ورنگل کا خاص طور سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے کہ انھوں نے اپنے ضلع کے پچاس ابتدائی مدارس کے لیے پیام تعلیم کی خریداری منظور فرمائی ہے۔ امید ہے کہ محکمۂ تعلیمات حیدر آباد کے دوسرے افسرانِ تعلیم بھی ہمیں اپنی توجہ اور قدردانی سے شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ (مینیجر)

کلکتہ مسلم ہائی اسکول	کلکتہ
حامد اللہ خاں صاحب	میرٹھ
گوربخش سنگھ صاحب	سرگودھا
ڈاکٹر برکت علی صاحب	سہارنپور
مولوی غلام طیب صاحب	اورنگ آباد
مصدق الدین احمد صاحب	شملہ
سید حسین اشرف صاحب	گیا
عبدالرزاق کوکنی صاحب	ڈابھیل
مدرسہ تحتانیہ	لوٹن
مرزا احمد علی بیگ صاحب	ناندیڑ
سید شاہ شرف عالم و منظر حسین صاحبان	بھاگل پور

بچوں سے باتیں

ٹکٹوں والے مضمون سے بچے بے انتہا دلچسپی لے رہے ہیں۔ ان کے بے شمار خط اس سلسلے میں آتے رہتے ہیں بہت سے بچوں نے پیام تعلیم کے مضمون دیکھ کر ٹکٹ جمع کرنا شروع کردیے ہیں اور دن بردن ان کا شوق بڑھتا ہی جاتا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ ان سب بچوں میں جنھیں ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے آپس میں دوستی ہوجائے اور خط کتابت کا سلسلہ جواب بھی جاری ہے کچھ نہ کچھ اور بڑھ جائے تاکہ وہ ایک دوسرے سے مفید اور کام کی باتیں معلوم کرسکیں اور ٹکٹوں کے مبادلے میں آسانی ہو۔

اس سلسلے میں ہمارے پاس "شاد کمپنی" کے منیجر صاحب نے ایک اطلاع بھیجی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ "شاد کمپنی ہندوستان اور دوسرے قریب قریب تمام ملکوں سے پرانے ٹکٹوں کا کاروبار کرتی ہے ٹکٹ بھیجنے کا اور مبادلے کا دونوں کا انتظام ہے" اگر تم اور تفصیل معلوم کرنا چاہو تو اس پتے پر خط کتابت کرو

منیجر صاحب شاد کمپنی۔ احاطہ خام۔ لکھنؤ

منیجر صاحب نے کوئی پندرہ ٹکٹ بھی ہمارے پاس بھیجے ہیں یہ سب باہر کے ملکوں کے ہیں۔ ہم منیجر صاحب کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔ یہ ٹکٹ ہم کسی شوقین بچے کے پاس بھیج دیں گے

کچھ عرصہ ہوا ہم نے جناب محمد عثمان صاحب صدر انجمن ادبی قندھار (افغانستان) کے پاس بھی ایک خط بھیجا تھا۔ اور ان سے درخواست کی تھی کہ اپنے یہاں کے کچھ ٹکٹ بھیج دیں جناب محمد عثمان صاحب نے ہماری درخواست قبول فرمائی اور کوئی تیس ٹکٹ ہمارے پاس بھیج دیے ہم ان کی اس مہربانی کا اپنی اور سب بچوں کی طرف سے شکریہ ادا کرتے ہیں یہ ٹکٹ بھی ہم کسی شوقین بچے کو بھیج دیں گے

قندھار میں مکتب "شعلہ ماہ" کے استادوں نے "انجمن ادبیات افغانی" کے نام سے ایک نئی انجمن قائم کی ہے اس کے ماتحت انجمن کے ممبروں سے مضمون پڑھوائے جائیں گے مختلف عنوانوں پر مباحثہ ہوگا اور لوگوں میں علم سے دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کی جائے گی

سکریٹری صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ ہم نے ایک فٹ بال کلب بھی کھولا ہے اور سب سامان منگوالیا ہے لیکن ہمیں کھیل کے طریقوں۔ ریفری اور کپتان کے فرائض اور دوسرے قاعدوں سے واقفیت نہیں آپ ہمیں لکھ کر بھیج دیجیے۔

جن بچوں کو اس کھیل سے دلچسپی ہو اور اس کے متعلق تمام باتوں سے واقف ہوں وہ مہربانی فرماکر ہمارے پاس یا قندھار اس پتے پر ضروری قواعد و قوانین لکھ کر بھیج دیں[۵]

منشی منظور محمد خاں الکوزائی سرمعلم مکتب شعلہ ماہ قندھار ازراہ چمن۔ بلوچستان۔

بچوں کے مضمونوں کے بارے میں ہم نے پچھلے پرچے میں تفصیل سے

۵؎ - اس کا خیال رہے کہ افغانستان، ایک اونس کا لفافہ ۳؍ میں جاتا ہے۔

نکلتا تھا پھر بھی بہت کم بچوں نے اس طرف توجہ کی اب تک ہمارے
پاس ان بچوں کے مضمون آئے ہیں ۔ خواجہ تربھوں پرشاد
(عمر ۱۱ سال) حیدرآباد۔ شرافت حسین بھوپال (عمر ۱۲ سال)
مزمل الدین آناؤ (عمر ۶ سال ۹ ماہ) صباح الدین احمد گیا۔ (عمر
۱۱ سال) عزیز احمد۔ گیا (عمر ۱۱ سال ۔ خواجہ تربھون پرشاد کا
مضمون سب سے اچھا ہے اور ان ہی کو پانچ روپے کے انعام کا مستحق
قرار دیا گیا ہے ۔ ہم چھوٹے بچوں کے سرپرستوں سے خاص طور پر
درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں بچوں سے مضمون لکھوا کر
بھیجیں ۔خواجہ تربھون پرشاد کو پانچ روپے کی کتابیں بھیج دی گئیں

انوکھے عدد والے مضمون سے بچوں کو بے انتہا دلچسپی ہوگئی
ہے ۔ ان کے بہت سے خط ہمارے پاس آئے ہیں جن میں اس
سلسلے کو جاری رکھنے کی بڑے اصرار کے ساتھ خواہش کی گئی ہے
ہمیں افسوس ہے کہ اس مرتبہ ماہر تعلیم صاحب بہت مصروف ہیں
اور چند ضروری کاموں کی وجہ سے دہلی سے باہر چلے گئے ہیں ۔ یہ مصروفیت
شاید کچھ دنوں تک اور ہے اس لئے دو ایک مہینے وہ پیام تعلیم کے لئے
مضمون نہیں لکھ سکتے ۔ اس عرصے میں ہم اور مضمون نگاروں کے
اچھے اچھے مضمون شائع کریں گے جو اسی سلسلے میں لکھے گئے ہیں

پچھلے پرچے میں ہم نے بچوں سے پیام تعلیم کے مضمونوں کے بارے
میں ان کی رائے مانگی تھی اور یہ پوچھا تھا کہ کیا کیا چیزیں وہ پیام تعلیم
میں بڑھانا چاہتے ہیں اس سلسلے میں جن لوگوں نے خط بھیجے ہیں
ان کے نام یہ ہیں ۔ عزیز احمد گیا ۔ عثمان الرحمن نوشہ ۔ میرٹھ
احمد علی بیگ ۔ ناندیڑ۔ شام کمار رشیاور ۔ سید خلیل احمد ۔ دہلی
بنام ۔ میرٹھ ۔ محمد عبدالولی ۔حیدرآباد ۔ ماسٹر ایم محمد یوسف صاحب
احمد پور شرقیہ

اگر گنجائش ہوئی تو ہم ان خطوں کو اگلے پرچے میں چھاپ دیں
گے ہم چاہتے ہیں کہ یہ سلسلہ مستقل طور پر جاری رہے بچے پوری آزادی
کے ساتھ اپنی رائے لکھ کر بھیجیں ہم ان کی رائے اور خواہش کا خیال رکھیں گے

بچوں کو یاد ہوگا کہ رنگ بھرنے کے پچھلے مقابلے میں محمد ابراہیم
صاحب اول آئے تھے ۔ ہم نے انعام کی کتابیں انھیں کھام گاؤں
کے پتے پر بھیجی تھیں لیکن یہ کتابیں واپس آگئی ہیں ۔معلوم نہیں کیا
بات ہے ۔شاید پتہ غلط ہو یا ابراہیم صاحب گھر پر موجود نہ ہوں
بہرحال ابراہیم صاحب اپنا ٹھیک پتہ لکھ کر بھیج دیں ۔ ان کے پاس
کتابیں بھیج دی جائیں گی ۔

جامعہ ملیہ کے چھوٹے بچوں کے مدرسے یعنی تعلیمی مرکز نمبر ۱
میں عرصے سے ایک بنک بھی قائم ہے اس بنک پر پچھلے سال مئی ۳۴ء
میں ایک مضمون شائع ہوچکا ہے اس کا نفع ہر سال بڑی چھٹیوں سے
پہلے بچوں کو تقسیم کر دیا جاتا ہے ۔ اب کی پہلی مئی کو نفع تقسیم کیا گیا اس
موقع پر تعلیمی مرکز کے بچوں نے ایک جلسہ بھی کیا جس میں جامعہ کے
طالب علموں، استادوں کو بھی دعوت دی تھی ۔ پہلے بچوں نے
اس بنک کی رپورٹ پڑھی پھر نفع تقسیم ہوا ۔ آخر میں مہمانوں کی شربت
اور مٹھائی سے خاطر کی گئی ۔

مئی کے رسالے میں رنگ بھرنے کی جو تصویر شائع کی گئی تھی اس
کی آخری مدت ۱۵ جون ہے ۔ کئی بچوں نے تصویریں رنگ بھر کر
بھیج دی ہیں ۔ دوسرے بچوں کو بھی جلدی کرنا چاہئے تاکہ جولائی
کے پرچے میں ہم انعام کا اعلان کرسکیں
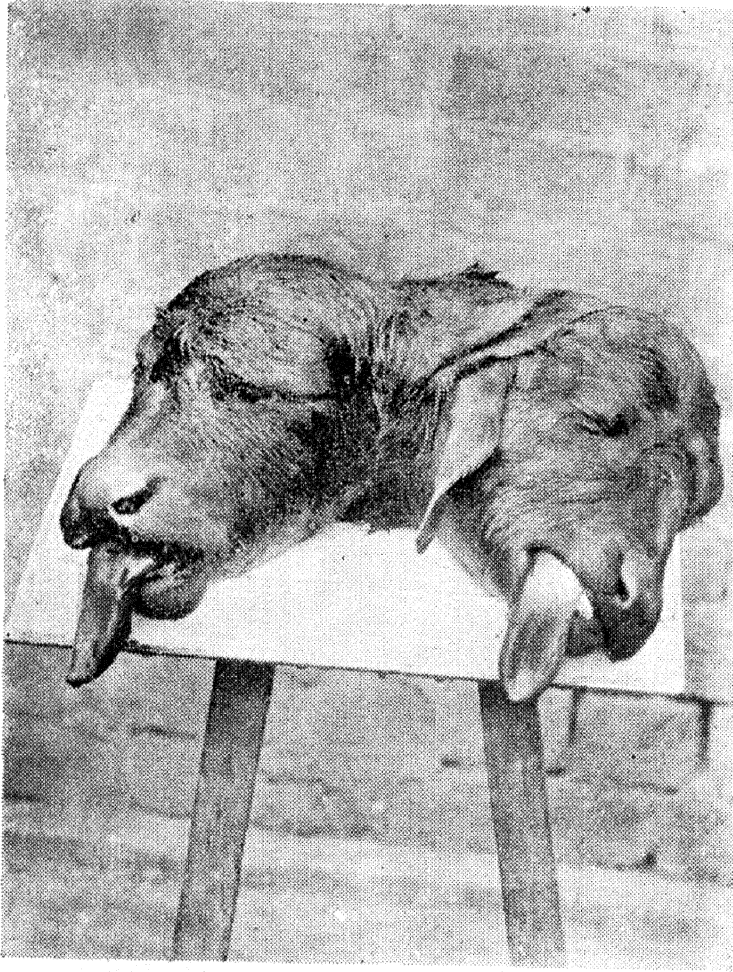
قدرت کے کارخانے بھی عجیب ہیں - دیکھو یہ بھینس کا بچہ
خدا نے دو سر کا پیدا کیا ہے -
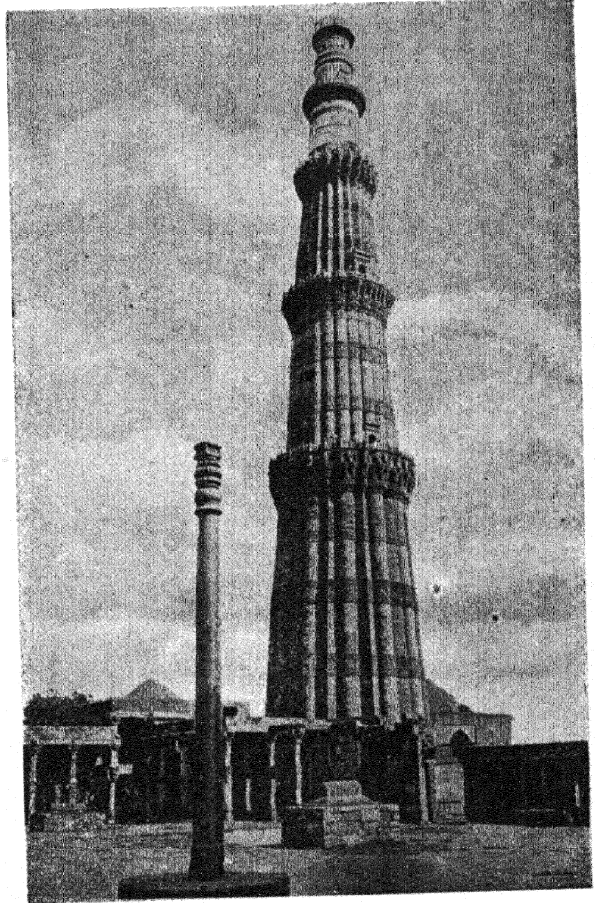
قطب مینار :— اس تصویر میں لوہے کی لاٹ بھی نظر آتی ہے - جس کا ذکر مضمون میں آیا ہے -

قطب مینار

(از جناب محمود علی خاں صاحب جامعی)

اب تک تم نے شہر دہلی کے اندر کی دو مشہور عمارتوں کی سیر کی۔ آؤ۔ آج ذرا دور دہلی کے باہر چلیں اور قطب مینار کی سیر کرالائیں۔

یہ تو ہم پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ اصلی پرانی دہلی یہی تھی جہاں قطب مینار بنا ہے یہیں پہلے ہندو راجہ رائے پتھورا حکومت کرتا تھا اور اسی کو سلطان محمد غوری نے فتح کیا تھا۔ پھر فتح کرنے کے بعد یہیں اپنے غلام قطب الدین ایبک کو گورنر بنا کر واپس چلا گیا تھا۔ قطب الدین کے بعد سلطان شمس الدین التمش دہلی کے بادشاہ ہوئے اور ان ہی نے یہ قطب مینار بنوایا۔

قطب مینار ہندوستان میں مسلمانوں کی سب سے پہلی عمارت ہی۔ اور بلندی کے لحاظ سے ساری دنیا میں مشہور رہے دُور دُور سے لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں، اور اس کے اوپر چڑھتے ہیں۔ یہ مینار اتنا اونچا ہی کہ اگر نیچے کھڑے ہو کر اوپر دیکھو تو ٹوپی سر سے گر جائے اور اگر اوپر چڑھ کر نیچے نظر ڈالو تو ساری دہلی دور دور تک نظر آتی ہے اور نیچے کے آدمی ایسے دکھائی دیتے ہیں جیسے بالشتئے ہوں۔

کہتے ہیں اس مینار کے پہلے سات کھنڈ تھے۔ کوئی ڈیڑھ سو برس ہوئے جب بڑے زور کی کالی آندھی اور زلزلہ آیا تھا۔ اس وقت اوپر کے دو کھنڈ گر گئے۔ اب صرف پانچ کھنڈ باقی ہیں۔ انگریزوں نے پانچویں

کھنڈ کے اوپر ایک چھتری یا برجی بنوائی تھی بعد میں اُسے اتروا کر نیچے رکھوا دیا گیا ہے۔

مینار اب پانچوں کھنڈ ملا کر کوئی اسی گز اونچا ہو گا۔ کہتے ہیں کہ جب ساتوں کھنڈ موجود تھے تو اس کی اونچائی پورے سو گز تھی ہر کھنڈ کے ختم پر چاروں طرف ایک خوب صورت برآمدہ بنا ہوا ہے اور سب سے اوپر سنہرا کٹہرا ہے تاکہ جو لوگ اوپر چڑھیں وہ گر نہ جائیں۔ پہلے کھنڈ میں باہر کی طرف کی اوپر سے نیچے تک لکیر گول اور ایک کمر کی طرح بنائی ہے۔ دوسرے کھنڈ میں سب لکیریں گول ہیں۔ تیسرے میں سب کمر کی ہیں۔ اور چوتھے، پانچویں کھنڈ سادے ہیں۔ مینار کے باہر باہر پتھر پر بڑے اچھے اچھے بیل بوٹے کھودے گئے ہیں۔ اور قرآن شریف کی آیتیں ایسی خوب صورتی سے کھودی ہیں جیسے کسی خوش خط لکھنے والے نے کاغذ پر لکھ دی ہوں۔

مینار اندر سے بالکل خالی ہے۔ اور چکر دار سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اُن کی تعداد لونے چار سو کے قریب ہو گی ان پر اتنے آدمی اترتے چڑھتے ہیں کہ یہ سیڑھیاں بہت کچھ گھس گئی ہیں۔ مینار پر چڑھتے وقت طاقتور سے طاقتور آدمی ہانپنے لگتا ہے۔ سانس پھول جاتی ہے اور جب اوپر پہنچتا ہے تو پیٹ میں سانس نہیں سماتی۔ لیکن جہاں اوپر پہنچے اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا لگی۔ تو طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ اور ذرا سی دیر میں ساری تھکن اُتر جاتی ہے۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ چڑھنے سے زیادہ اُترنا مشکل ہے اُترنے میں پنڈلیاں اور رانیں پھٹنے لگتی ہیں اور کئی کئی دن تک ان میں درد باقی رہتا ہے۔

مینار کے پاس ہی ایک عالی شان مسجد کی ٹوٹی پھوٹی دیواریں ہیں۔ یہ پرانی دلی کی جامع مسجد تھی اسے سلطان قطب الدین ایبک نے بنوایا تھا اور بعد کے بادشاہوں نے اس میں بہت کچھ اضافہ کیا تھا لیکن

اب یہ مسجد گر گئی ہے۔ صرف تھوڑی سی دیواریں محرابیں اور ایک دروازہ باقی ہے۔ ان سب پر بہت نفیس بیل بوٹے بنے ہوئے ہیں۔ اور قرآن شریف کی آیتیں کھدی ہوئی ہیں۔

مسجد کے صحن میں ایک لوہے کی لاٹھ ہے۔ یہ لاٹھ بالکل ٹھوس اور ایک سی ڈھلی ہوئی ہے۔ یہ ہندوؤں کے زمانے کی ہے اور اس پر اسی زمانے کی پرانی زبان میں کچھ کھدا ہوا ہے۔

مسجد کے پیچھے بغیر چھت کا مقبرہ ہے اس میں ایک اونچی سی قبر ہے۔ اسی میں قطب مینار کا بنانے والا سلطان شمس الدین التمش قیامت کی نیند سو رہا ہے۔

مینار کے پچھم کی طرف اور مسجد کے دکھن کی طرف ایک اور ٹوٹا پھوٹا سا مقبرہ ہے۔ اس میں سلطان علاء الدین خلجی کی قبر ہے۔ اسی بادشاہ نے مسجد کے دوسرے طرف قطب مینار کے مقابلے میں ایک اور مینار بنوانا شروع کیا تھا لیکن وہ ابھی تھوڑا ہی سا بن پایا تھا کہ بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔ یہ مینار آب بھی ویسے ہی ادھورا پڑا ہے۔ قطب مینار کے دکھن کی طرف ایک بڑا خوب صورت پھاٹک بنا ہوا ہے۔ اس کو بھی علاء الدین خلجی نے بنوایا تھا

اچھا اب تم نے قطب مینار کے آس پاس کی سب چیزیں تو دیکھ لیں اب ذرا اس احاطے سے باہر چلو۔

قطب مینار کے پچھم کو حضرت قطب صاحب کا مزار ہے۔ یہ بڑے پہنچے ہوئے بزرگ تھے۔ شاید تمھیں سمجھنے میں کچھ غلطی ہو اس لئے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ دہلی کے پہلے مسلمان بادشاہ قطب الدین ایبک کی قبر لاہور میں ہے یہ مزار تو ایک درویش کا ہے جنھیں قطب صاحب کہتے ہیں اور جن کا پورا نام قطب الدین بختیار کاکیؒ ہے۔ یہاں بھی مسلمان زیارت کے لئے آتے ہیں درگاہ کے احاطے میں آخری زمانے کے کئی مسلمان بادشاہوں کی بھی قبریں ہیں

ان عمارتوں کے علاوہ اکبر بادشاہ کی دایہ کے لڑکے کا مقبرہ، اولیا مسجد، شمسی تالاب، جھرنا اور پھول والوں کی سیر کی جگہ بھی دیکھنے کے قابل ہے +

شہزادی گلنار

(۲)

(- از جناب پروفیسر عطاء اللہ صاحب ایم اے مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ)

شہزادی سے پوچھا تو اس نے کہا
میں بے گناہ ہوں۔ آپ کے گھر کی خیر خواہی
میں یہ ظلم مجھ پر میرے پھنسانے کو توڑا گیا ہے
خدا میری بے گناہی پر گواہ ہے اور میری اس
سے عاجزانہ دعا ہے کہ ایک دن میری زندگی
ہی میں آپ پر یہ حقیقت واضح کردے۔ ڈاکو کو
یقین آگیا کہ یہ کام گلنار کا نہیں ہے۔ مگر ڈاکو
کی بیوی پر بچے کے قتل کا صدمہ بہت زیادہ
تھا۔ اور چوں کہ بظاہر شبہ گلنار پر تھا
ڈاکو کی بیوی نے کہا۔ گلنار کا میرے سامنے
موجود ہونا میری آنکھوں میں کانٹے اور دل
میں نشتر چبھونا ہے۔ یہ کسی صورت میں میرے
سامنے نہیں رہ سکتی۔ ڈاکو نے گلنار سے کہا
اب میں مجبور ہوں۔ یہ تو خدا ہی بہتر جانتا
ہے کہ عزیز کو کس نے قتل کیا۔ مگر اب تمہارا
یہاں سے رخصت ہو جانا ہی مناسب ہے
یہ لو پانچ سو روپے کی تھیلی وقت بے وقت
کام آئے گی۔"

گلنار نے گردن جھکا کر ادب سے کہا
"اے سردار آپ نے مجھے موت کے منہ سے
چھڑایا۔ میں دل وجان سے آپ کا احسان مانتی
ہوں۔ یہ میری بدبختی ہے کہ عزیز کے قتل کا شبہ
مجھ پر کیا جائے۔ میں جاتی ہوں۔ لیکن آپ
یقین جانیئے۔ شریفوں میں نیکی کا بدلہ نیکی ہی
ہوا کرتا ہے۔ اگر میں آپ کی کوئی خدمت
بجا نہ لاسکی تھی۔ تو آپ پر یہ ظلم ڈھانا مجھے کیونکر

گوارا ہوسکتا تھا۔ وہ خدا جس نے پہلے موت کے پنجے سے بچایا اب بھی میری حفاظت کرے گا۔ خدا کرے ایک نہ ایک دن اس قتل کا صحیح حال آپ کو معلوم ہوجائے۔ آپ کا اس روپے کے لئے بہت بہت شکریہ۔ میں نے بہت دولت دیکھی ہے۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں۔" ڈاکو نے اصرار کیا اور کہا روپیہ ضرور ساتھ لیتی جاؤ۔ روپیہ ہر مشکل کا حل ہے اور تم ایک شریف اور ناتوان لڑکی ہو۔ گلنار روپیے کی تھیلی سنبھال ڈاکو کو آخری سلام کر چل کھڑی ہوئی۔ دن بھر میں دس پانچ کوس چلی شام ہونے کو تھی کہ ایک گاؤں میں پہنچی حیران تھی کہ کیا کرے اور کس کے پاس جائے اس نے جاکر ایک دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ ایک بڑھیا کا مکان تھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ گلنار نے کہا۔ بڑی اماں میں مسافر ہوں ابھی یہاں پہنچی ہوں۔ مجھے اپنے یہاں رات بسر کرنے کی اجازت دیجئے تو بڑی مہربانی ہوگی۔ بیوہ نے کہا بیٹی! آؤ اور اس غریب خانے کو اپنا ہی گھر سمجھو۔ گلنار ایک ٹوٹی پھوٹی چارپائی پر بیٹھ گئی۔ اور بڑھیا کو پیسے دے کر بازار سے کھانا منگوایا اور دونوں نے مل کر کھایا۔ گلنار نے اپنی آپ بیتی سنائی اور کچھ دیر کے بعد پڑ کر سو رہی۔ صبح اٹھتے ہی گلنار بڑھیا کو ساتھ لے کر سامان خریدنے کے لئے بازار کی طرف روانہ ہوئی۔ راستے میں ایک جگہ دیکھا کہ بڑی بھیڑ چلی جارہی ہے۔ سپاہی ایک آدمی کی مشکیں کسے ہوئے لئے جارہے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک شخص اپنا قرض ادا نہیں کرسکا اسی وجہ سے اسے پھانسی پر لٹکایا جائے گا۔ گلنار نے پوچھا اس کا قرض کتنا ہے معلوم ہوا پانچ سو روپے کے قریب ہے۔ گلنار نے پوچھا۔ اس وقت اگر یہ قرض ادا کردیا جائے تو کیا اس کو رہا کردیا جائے گا۔ لوگوں نے جواب دیا 'ہاں'۔ گلنار نے فوراً ان لوگوں کو ٹھہرایا۔ اور قرض خواہ کو جو ساتھ ہی تھا گن کر تمام روپیہ ادا کردیا۔ سپاہیوں نے قرض دینے والے کو آزاد کردیا لوگ حیران تھے۔ کہ کون

اللہ کی نیک بندی ہے جس نے ایک آدمی کی
جان بچائی۔ ہر شخص اسے دیکھنے کی کوشش
کرتا تھا۔ یہاں تک شہزادی کو بھیڑ بھاڑ کی تیزی
سے ایک طرف نکل جانا پڑا۔ شہزادی نے
بڑھیا کو سلام کیا اور اگلے شہر کی راہ لی
اب آزاد ہونے والے آدمی نے
بڑھیا کو ڈھونڈھ لیا اور پوچھا۔ شہزادی کہاں
ہے۔ بڑھیا نے کہا اگلے شہر کو چلی گئی ہے وہ
بھاگا بھاگا اسی طرف کو گیا اور شہزادی کو
دو کوس پر جا لیا اس نے شہزادی کو سلام
کیا اور بجائے اس کا شکریہ ادا کرنے
کے اس سے لگا پوچھنے۔ آپ کے پاس
اور کتنا روپیہ ہے کیا ہی اچھا ہو اگر آپ مجھ
سے شادی کریں۔ شہزادی نے اس کو
بہت کچھ سخت سست کہا ڈرایا دھمکایا مگر
وہ کمینہ اس کا پیچھا ہی نہ چھوڑتا تھا۔ گلنار
ایک چشمے کے کنارے ذرا دم لینے کو بیٹھ گئی
اب اس بدمعاش کی ذرا شرارت سنئے
قریب ہی سمندر میں ایک جہاز کھڑا تھا یہ

کپتان کے پاس پہنچا اور اس سے کہا
میرے پاس ایک ایسی لونڈی ہے جس کے
سامنے کوہ قاف کی پریاں پانی بھریں مجھ
سے تو وہ شادی کرنے پر رضامند ہوتی
نہیں ناچار بیچنے پر تیار ہوں اگر آپ پانچ
سو روپیہ دے دیں تو آپ ایسی لونڈی
کے مالک بن سکتے ہیں جو بادشاہوں کو بھی
نصیب نہیں۔ کپتان بدمعاش کے ساتھ
ہی چل پڑا اور دور سے گلنار کی ایک ہلکی سی
جھلک ہی دیکھ کر اس نے بدمعاش کو پانچ سو
روپیہ دے دیا بدمعاش تو سر پر پاؤں رکھ
کر اپنے گھر کی طرف بھاگا اور کپتان گلنار
کے پاس پہنچ کر کہنے لگا:-
"اے چاند کے ٹکڑے جو آسمان سے
زمیں پر اتر آیا ہے۔ میں نے تجھے چاندی کے
عوض خریدا ہے۔ مگر جان سے زیادہ عزیز
رکھوں گا۔ میری اس سے زیادہ خوش نصیبی
اور کیا ہو سکتی ہے کہ تیرے جیسی مورت میرے
ہاتھ آئی۔ آ۔ جہاز پر چلیں اور تو میرے ویران

اور اندھیرے گھر کو آباد اور روشن کر دے"
گلنار بڑی ہی تکلیف اور بے تابی سے یہ
باتیں سن رہی تھی۔ جھلا کر بولی "پاگل، نامراد
کون مردود مجھے بیچنے اور کون گدھا مجھے خریدنے
والا ہے۔ تم کیا بک بک کر رہے ہو"
کپتان تھا آخر سپاہی آدمی چمک کر
بولا، دلیری، تمہارا بیچنے والا وہ اپنے
دام لئے جا رہا ہے۔ چلو۔ یہ کہتے ہی اس نے
گلنار کو اُٹھا کندھے پر لادا اور جہاز کا رُخ کیا
گلنار چیخی چلائی۔ مگر کپتان نے اُسے جلدی
سے جہاز پر ڈال دیا اور لنگر اٹھا جھٹ پٹ
جہاز کو چلا ہی تو دیا، شہزادی کی پریشانی
کا اندازہ کرو ایک وحشی آدمی کے پنجے میں
گرفتار ہے اور بظاہر رہائی کی کوئی امید نہیں
کپتان تو گلنار کو ایک زرخرید لونڈی سمجھتا تھا
اس نے سبھی جتن کئے مگر گلنار کی پیشانی کا
ایک بل بھی کم نہ ہوا۔ آخر کار کرنا خدا کا کیا
ہو۔ ایک دن سخت طوفان آیا اور جہاز لگا
بیچ سمندر میں تھپیڑے کھانے اور مسافر لگے
کلمہ پڑھ، پڑھ کر خدا کو یاد کرنے
طوفان دم بدم بڑھتا ہی گیا۔
یہاں تک کہ جہاز غرق ہو گیا اور سب
مسافر بھی ڈوب گئے مگر شہزادی اور کپتان
علیحدہ علیحدہ تختوں پر سوار بہے چلے جاتے
تھے شہزادی تو دو چار گھنٹے کی مصیبت کے
بعد ایک مقام پر کنارے جا لگی اور کپتان
بہتے بہتے اُس مقام سے دور کسی دوسرے
شہر جا پہنچا۔
گلنار جس جزیرے کے کنارے پہنچی
اس کا نام لطیف آباد تھا وہاں زیادہ آبادی
عورتوں کی تھی اور ملک کا سارا انتظام بھی
عورتوں ہی کے ہاتھ میں تھا۔ جس دن گلنار
ٹوٹے پھوٹے تختے پر ساحل کے قریب بہی
جا رہی تھی اس دن بہت سی عورتیں ایک
تیوہار منانے سمندر کے کنارے جمع تھیں
ان میں سے چند ملکہ کے حکم سے گلنار کو
اپنی کشتی میں کنارے تک لے آئیں بہت سی
عورتیں گلنار کے ارد گرد جمع ہو گئیں۔

اور لگیں طرح طرح کے سوالات پوچھنے ملکہ نے سب کو منع کر دیا۔ گلنار کو کھلایا پلایا اور اچھے اچھے کپڑے پہنوائے۔ جب اس کی طبیعت بحال ہوئی تو کہا اچھی بیٹی۔ اب تم اپنی داستان سناؤ۔ شہزادی گلنار نے ایک غم بھری آپ بیتی شروع سے آخر تک سنائی۔ ملکہ نہایت خوش ہوئی شہزادی کو پیار کیا اور کہا اچھی بیٹی! مردوں کی مجلس اس لائق نہ تھی کہ تم اس کی زینت بنتیں اچھا ہوا تم یہاں آگئیں۔ اطمینان سے رہو اس ملک میں عورتوں کی بادشاہت ہے یہاں تم کو نابکار مردستا نہیں سکیں گے۔

اہم اعلان

خوشی کی بات ہے کہ پیام تعلیم کے نئے خریدار دن بدن بڑھ رہے ہیں پھر بھی ان کی رفتار اتنی تیز نہیں ہے جتنی کہ ہم چاہتے ہیں۔ اس لئے ہم اعلان کرتے ہیں کہ پیام بھائیوں میں سے جو صاحب ایک مہینے میں پیام تعلیم کا ایک خریدار دیں گے انھیں جناب سعید انصاری صاحب کی کتاب بچوں کے اسمٰعیل انعام میں دی جائے گی اس کے علاوہ جو صاحب مہینے میں سب سے زیادہ خریدار دیں گے انھیں پانچ روپے کی کتابیں دی جائیں گی۔ سب سے زیادہ سے مراد یہ ہے کہ تین سے زیادہ ہوں۔ صرف تین خریدار دینے والے بھائی اس مقابلے میں شریک نہ ہوسکیں گے ہمیں امید ہے کہ اس اعلان کو دیکھتے ہی سب بچے اپنی اپنی کوششوں میں لگ جائیں گے۔ دیکھیں کون اس مقابلے میں اول آتا ہے۔

(منیجر)

گرمی اور جنگل

(از جناب مولینا محوی صدیقی صاحب، لکھنوی، مدراس)

دھوپ جیسی سخت ہے اب کے پڑی ؛ تھی کہاں پچھلے برس ایسی کڑی

ایسی گرمی تو نہ دیکھی تھی کبھی ؛ چند ہی دن میں یہ کیا حالت ہوئی

خشک ہیں تالاب چشمے اور جھیل ؛ پانی ملنے کی نہیں کوئی سبیل

ندیاں سوکھی ہیں نالے خشک ہیں ؛ کھیت اور باغوں کے تھالے خشک ہیں

سوکھ کر کانٹا ہوئے ہیں جانور ؛ ہے بلا کی پیاس، گرمی کس قدر

جانور چرنے کو جائیں اب کہاں ؛ گھاس کا باقی نہیں نام و نشاں

زرد ہی وہ دوب جو تھی ہر جگہ ؛ اب تو ہی چٹیل زمیں اکثر جگہ

پانی جنگل میں کہیں ملتا نہیں ؛ ہر طرف سوکھی پڑی ہی بس زمیں

ان دنوں وہ زور گرمی کا ہوا ؛ ہوگئی ہیں شق زمینیں جابجا

تپ رہی ہیں آگ سے سارے پہاڑ ؛ جل رہے ہیں دھوپ کے مارے پہاڑ

ہوگئی گرمی سے پتھر کیا سیاہ ؛ دیکھیے ملتی ہی کب اس سی پناہ

اب نہ ہریالی نہ گل بوٹے رہے ؛ جل گئے گرمی سی سب پودے ہرے

ہوگئی جنگل کی سرسبزی تباہ ؛ خشک ہے جس شی پہ پڑتی ہی نگاہ

ڈھونڈتے ہیں چھاؤں سارے جانور ؛ اُڑتے ہیں طائر تو جل اُٹھتے ہیں پر

چھپتی ہیں پتوں میں چڑیاں دھوپ سے ؛ ہوگئی کتنے ہی بے جاں دھوپ سے

یا خدا دے جلد گرمی سی نجات

دن نہ کٹتا ہی نہ اب کٹتی ہی رات

ٹکٹ جمع کرنے کے فائدے

(از جناب سید محمد شمیم صاحب جامعی)

پچھلے مضمون میں شمیم صاحب نے اس سوال کا جواب دیا تھا کہ ٹکٹ جمع کرنے سے کیا فائدہ ہے اس سلسلے میں انھوں نے بہت سی باتیں بتائی تھیں۔ مثلاً یہ کہ یہ مشغلہ ہی ایسا ہے جس سے ہر شخص دل چسپی لے سکتا ہے۔ یا خالی وقت میں اور اس وقت جب کہ میدان میں کوئی کھیل نہ کھیلا جا سکتا ہو۔ یہ سب سے دل چسپ مشغلہ ثابت ہوا ہے۔ پھر مالی فائدہ بھی ہے۔ ان ہی سب باتوں کی وجہ سے یورپ میں بڑوں یا بچوں کا شاید ہی کوئی اخبار یا رسالہ ہو جس میں ایک آدھ صفحہ ٹکٹوں کے لئے مخصوص نہ ہو۔ اور یہی وجہ ہے کہ بادشاہ سے لے کر غریب تک ٹکٹ جمع کرنے والوں میں شامل ہیں۔ آخر میں انھوں نے وہی بات بتائی ہے کہ البم میں جو روپیہ لگتا ہے۔ وہ ایسے ہی محفوظ ہے جیسے بنک میں جب چاہو وصول کرلو۔ اس مضمون میں انھوں نے کچھ ٹکٹوں کا بھی حوالہ دیا ہے۔ افسوس ہے کہ یہ ٹکٹ غلطی سے اپریل کے پرچے میں شائع ہو گئے اس لئے اس مضمون کو پڑھتے وقت مارچ کا پرچہ بھی اپنے پاس رکھ لو۔ (اڈیٹر)

اب جب ٹکٹ خریدنے والے موجود ہیں تو دکانوں کے پیدا ہونے میں کیا دیر تھی سینکڑوں دکانیں ایسی کھل گئی ہیں۔ اور ہزاروں آدمی ایسے ہیں جو روزی ٹکٹ بیچنے کا کاروبار کرتے ہیں چونکہ اس تجارت میں بہت بڑی دکان کی ضرورت

نہیں۔ بلکہ اس کے کاروبار سے اچھی طرح
واقفیت کی ضرورت ہے۔ اسی وجہ سے بہت
سے لوگ جنھوں نے صرف تفریح کے لئے اس کام
کو شروع کیا تھا۔ آگے چل کر جب انھیں تمام
باتیں معلوم ہوگئیں تو اس کی تجارت شروع
کردی۔ چند سال ہوئے دلی میں ایک ایسے
ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی تھی جو ٹکٹوں کی تجارت
بھی کرتے تھے اور شہر میں مطب بھی۔

اس وقت دنیا میں سب سے مشہور اور
مستند (اعتبار کے لائق) دکان لندن میں
مسرس سٹینلی گبن لمیٹڈ کی ہے۔ یہ بہت پرانی
دکان ہے اور لاکھوں روپے کا کاروبار
ہوتا ہے۔ ہندوستان میں بھی ٹکٹوں کی
تجارت کرنے والے بہت سے لوگ ہیں
چند دکانیں بھی ہیں۔ ان دکانوں میں کلکتہ
کی سٹی سٹامپ اینڈ کوائن کمپنی کافی مشہور
ہے۔

آج کل پرانی کتابوں پرانی تصویروں
کی طرح پرانے ٹکٹوں کی بھی بہت مانگ ہے
اور ان کی بڑی بڑی قیمتیں ہوتی ہیں۔ پرانے
ٹکٹوں میں جو جس قدر زیادہ کمیاب ہوتا ہے
اسی قدر اس کی قیمت بھی زیادہ ہوتی ہے مارچ
کے پیام تعلیم میں تم نے دو ٹکٹوں کی تصویروں
کو دیکھا ہوگا۔ جن کی قیمت تقریباً دو ہزار سے
اوپر تھی۔ دنیا کا سب سے قیمتی ٹکٹ برٹش گیانا
کا ۱۸۵۶ء کا ایک سنٹ کا ٹکٹ ہے۔ جو
سات ہزار پونڈ یعنی تقریباً ایک لاکھ روپے
میں بکا تھا۔ اگرچہ سب پرانے ٹکٹوں کی
قیمت اتنی نہیں ملتی پھر بھی چالیس پچاس
برس پرانے ٹکٹوں کی قیمت اکثر و بیشتر
۳۰ یا ۴۰ پونڈ یعنی چار یا پانچ سو روپے
ہوتے ہیں۔

دور کیوں جاؤ۔ خود اپنے ہندوستان
اور اس کی ریاستوں کے ٹکٹوں پر نظر
ڈالو۔ اور دیکھو کہ پرانے ٹکٹوں کی قیمت
کیا ہوتی ہے۔

جولائی ۱۸۵۲ء میں یعنی آج سے
۸۳ برس قبل جب ہندوستان میں پہلی

بار ٹکٹ جاری ہوا تھا، اور ہمارے بزرگوں
نے دو دو پیسوں میں خرید کر لفافوں میں چپکایا
ہوگا۔ وہ آج اگر تمھیں مل جائے تو تمھیں
اس کے نہایت آسانی سے پانچ سو روپے
مل جائیں گے۔ اور اگر وہی ٹکٹ
SCARLET سُرخ رنگ کا ہو تو اس کی
قیمت ساڑھے سات سو روپے ہو جائے
گی۔

(دیکھو تصویر نمبر ۲) جیسے ٹکٹ ۱۸۵۴ سنہ ء
میں جاری ہوئے تھے ان کے استعمالی
نمونے تو اب کمیاب ہیں لیکن غیر استعمالی
ٹکٹ جو صرف دو پیسے میں خریدا گیا ہوگا۔
اب اس کی قیمت تقریباً ڈیڑھ سو روپے
ہوگی۔ اسی زمانے کے چار آنے والے ٹکٹ
(تصویر نمبر ۳) کے جوڑے کی قیمت تقریباً
آٹھ سو روپے ہے اور ایک کی قیمت تقریباً
ایک سو پچاس روپے

یہ کوئی ضروری نہیں کہ ٹکٹوں کی
قیمت زیادہ ہونے کے لئے چالیس پچاس
برسوں کا انتظار کیا جائے۔ بہت سی ٹکٹ
ایسے ہیں جن کی قیمت چند ہی برسوں میں
اصلی قیمت سے دس اور بیس گنا ہو گئی۔
وجہ یہ ہے کہ یہ قیمتیں ٹکٹوں کی قدامت
پر منحصر نہیں بلکہ ان کی کمیابی پر۔ چونکہ پرانے
ٹکٹ کمیاب ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان
کی قیمت زیادہ ہوتی ہے۔ ۱۵ برس قبل مالٹا
میں جو ٹکٹ ۱۵ شلنگ میں ملتا تھا اس کے
تین ٹکٹ ایک ساتھ کے اب ۶۰ پونڈ یعنی
۹۰۰ روپے میں ملتے ہیں۔ جبرالٹر پوسٹ آفس
میں جو ٹکٹ کچھ دنوں قبل ۵ شلنگ میں ملتا
تھا وہی ٹکٹ لندن میں ۱۰ پونڈ یعنی تقریباً
ڈیڑھ سو روپے میں بکا ہے۔

بہت سے ٹکٹ ایسے ہیں جن کو پبلک
نے پسند نہ کیا یا کوئی اور وجہ ہوئی جس کی
بنا پر ڈاک خانہ نے ان ٹکٹوں کو بند کر دیا
یا وہ ٹکٹ ایک مخصوص مدت کے لئے جاری
کئے گئے تھے جیسے یادگاری ٹکٹ تو ان
کی قیمت تھوڑے دنوں میں بہت زیادہ

ہو جاتی ہے۔

۱۸۷۳ء میں ہندوستان میں ۔ ۳ پیسے والا ٹکٹ جاری ہوا تھا۔ تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ ٹکٹ بند کر دیا گیا کچھ دنوں کے بعد اس ٹکٹ کے استعمالی ہونے کی قیمت ڈھائی روپے اور تین روپے ہوگئی ۱۹۱۱ء یا ۱۹۲۲ء کے درمیانی زمانے میں ۲½ آنے کا ٹکٹ تصویر نمبرہ کے مطابق جاری ہوا تھا لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ بند کر دیا گیا اور اس کی جگہ پر موجودہ قسم کا ٹکٹ جاری کیا گیا اب اس ٹکٹ کی قیمت ۱۲؍ ہوگئی ہے۔ ہندوستان کے ٹکٹوں میں عموماً آبی نشان صرف ایک ہر ٹکٹ میں ہوتا ہے لیکن ۱۹۲۶ء سے ۱۹۲۹ء تک میں ایک کے بجائے کئی ستارے تھے اس وجہ سے ایسے آبی نشان والے ۲؍ اور ۴؍ والے استعمالی ٹکٹوں کی قیمت ۴؍ اور ۶؍ ہوگئی ۱۹۳۱ء میں نئی دلی کے افتتاح کے وقت جو کچھ ٹکٹ جاری ہوئے تھے (۔؍، ۱۰؍، ۳؍، ۱؍، ۲؍، ۳؍، ۶؍) اور جو ڈاک خانے کی مہر لگ جانے کے بعد بیکار ہوگئے تھے وہی ٹکٹ صرف چار برس کے بعد اب ۶؍ اور ۸؍ میں فروخت ہوتے ہیں ۱۹۲۲ء میں لندن میں پوسٹل یونین کانگریس کی یادگار میں جو چار ٹکٹ جاری ہوئے تھے۔ اب ان میں سے ہر ایک کی قیمت اپنی اصل سے دوگنا ہوگئی ہے۔

ان تمام مثالوں سے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اگر سلیقے سے کام کیا جائے تو ٹکٹ جمع کرنے میں جو وقت اور پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔ وہ بیکار نہیں جاتا ہے۔ بلکہ گویا یہ ایک طرح کی کفایت شعاری اور روپیہ پیسے کو بچانے کی عادت ڈالنی ہے۔

اس سلسلے میں ابھی بہت کچھ بتانا باقی ہے۔ لیکن اب تم تھک گئے ہوگے۔ اس لئے ختم کرتا ہوں اور آیندہ بتاؤں گا

نڈر

(سید محمد ٹونکی صاحب بی اے جامعہ مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ)

ابراہیم اور احمد اپر برج روڈ پر ٹہل رہے تھے کہ ایک دم ابراہیم ایک طرف ہٹا اور کہنے لگا دیکھو تو یہ موٹر چلانے والا - کیسا نا سمجھ ہے کہ اس جگہ اتنی تیز موٹر لے جا رہا ہے اگر موٹر گر پڑے یا ٹکرا جائے تو کیا ہو۔ موٹر ٹوٹ جائے۔ خود اس کے چوٹ لگے اور ممکن ہے مر بھی جائے

احمد :- یہ تو ٹھیک ہی اس جگہ اس کو موٹر اتنی تیز نہیں چلانی چاہیے - کیوں کہ یہاں آدمی چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ لیکن یہ تو کچھ بھی تیز نہیں چلا رہا ہے من چلے اور نڈر لوگ اس سے بہت تیز موٹر لے جاتے ہیں۔ اکثر گر بھی پڑتے ہیں۔ کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ موٹریں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں۔

ابراہیم :- چوٹ آتی ہے نقصان ہوتا ہے موٹریں ٹوٹتی ہیں اور پھر بھی یہ لوگ باز نہیں آتے، ان کو ڈر نہیں لگتا۔

احمد :- ابراہیم ہم نے سنا ہے کہ بڑے بڑے لوگ ڈرتے نہیں۔ جو لوگ ذرا ذرا سی بات سے ڈرتے ہیں وہ کچھ کام نہیں کر سکتے۔ جو نڈر ہوتے ہیں وہی بڑے ہو جاتے ہیں۔

ابراہیم :- اچھا تو آپ یہ کہہ رہے تھے کہ کچھ لوگ اس سے بہت تیز موٹر لے جاتے ہیں مجھے کسی کا حال بتائیے

احمد :- دنیا میں جگہ جگہ موٹروں کی دوڑ ہوتی
ہے ۔ ان میں دو زیادہ مشہور ہیں ایک
لامانس (فرانس) اور دوسری
انڈیاناپولس (امریکہ)
لامانس کی دوڑ تمام دن اور تمام رات
رہتی ہے ۔ اس دوڑ میں ایک مرتبہ پانچ موٹریں
چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ٹکرائیں اور بہت
زور سے ٹکرائیں ۔ سورج غروب ہوگیا تھا ۔
اندھیرے میں راستہ ٹھیک نظر نہیں آرہا تھا
کہ ایک فرانسیسی نے اپنی موٹر ایک تاریک اور
بے ڈھب کونے پر تیزی سے موڑی ۔ مڑتے ہی
ٹوٹ گئی ۔ اس کے پیچھے والے نے بچنے کی
کوشش کی لیکن وہ نہ بچ سکا اور کھائی میں جا
پڑا ۔
ان ہی ٹوٹی ہوئی گاڑیوں کے پیچھے
ایک اور آرہی تھی ۔ موٹر والے نے گاڑی
کو روکنے کے لئے بریک پر پاؤں مارا ۔ لیکن
اس کی گاڑی ٹکرائی اور دوسری گاڑیوں پر
چڑھ گئی اور اس طرح چڑھی کہ اس کا اگلا حصہ
ہوا میں اٹھ گیا ۔ کچھ ایسا ہی حشر اور دو گاڑیوں
کا ہوا جن کو ان کا حال معلوم نہ تھا اور تھوڑی
دیر میں ٹوٹی ہوئی گاڑیوں کا ڈھیر لگ گیا ۔
انڈیاناپولس کی دوڑ پانچ سو میل کی ہوتی
ہے ۔ وہاں گاڑیاں ٹکرائیں اور اس سے بھی
عجیب طریقے سے ٹوٹیں ۔ اور وہ اس طرح
کہ ایک گاڑی والے نے اپنی موٹر کو زیادہ پھیر
دے کر موڑا گاڑی کی رفتار اتنی سست ہوئی کہ
اس کا پچھلا حصہ پچھلی گاڑی سے لڑ گیا ۔ اس
ٹکر سے پچھلی گاڑی بڑی وحشت سے آگے
بڑھی اور قبل اس کے کہ چلانے والا اس کو
قابو میں لا سکے ۔ دوسری گاڑی آکر ٹکرا گئی ۔
اس کا چلانے والا پیچھے کی گاڑی سے بچانا چاہتا
تھا لیکن اس کوشش کا نتیجہ خراب نکلا دونوں
گاڑیاں اس زور سے ٹکرائیں کہ ایک کا پہیا
الگ ہو کر اڑتا چلا گیا ۔
یہ چاروں گاڑیاں تقریباً سو میل کی
رفتار سے جاری تھیں ۔ جب یہ چلانے والوں
کے قابو سے نکل گئیں تو آنے والی پانچویں گاڑی

کے بچنے کے لئے کوئی موقع نہ تھا۔ چنانچہ وہ
بھی اسی طرح ٹکرائی، ان پانچوں گاڑیوں
کا یہ نقصان وہ انجام صرف آدھ منٹ میں
ہوا۔ لیکن اس لڑنے ٹکرانے اور ٹوٹنے پھوٹنے
کے باوجود ہر گاڑی کا چلانے والا محفوظ تھا۔ صرف
ایک شخص کی کلائی میں موچ آئی، لامانس
کی دوڑ میں بھی صرف دو آدمیوں کی پسلیاں
ٹوٹی تھیں۔

ابراہیم:۔ صرف آدھ منٹ میں پانچ گاڑیاں
ٹکرائیں۔ پہیا ہوا میں اڑا۔ اور کوئی
شخص بھی نہ مرا۔ یہ کیسے ہوا۔

احمد:۔ موٹر والے نڈر تھے۔ جب موٹریں ٹکرائیں
تو وہ گھبرائے نہیں۔ اسی لئے بعض
تو بالکل بچ گئے اور جن کے چوٹ بھی
آئی وہ بھی کم۔ اگر بدحواس ہو جاتے
تو کبھی نہ بچتے۔ اور یقیناً بری طرح
زخمی ہوتے اور شاید مر بھی جاتے۔

یہ حادثات کوئی انوکھے نہیں۔ ایسی
ٹکریں بہت سی ہوئی ہیں۔ جن میں فولادی پرزے
اس طرح اڑ گئے گویا کاغذ کے پھول ہیں۔ کبھی
پہیے دھروں میں سے نکل کر دور تک چلے گئے
لیکن چلانے والوں کے آنچ بھی نہیں آئی۔
چنانچہ بوزفلینی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ اس
کی گاڑی ایک سو دس میل فی گھنٹے کی رفتار سے
جا رہی تھی۔ کہ یکایک قلابازی کھا گئی اور اس
کا پہیا نکل پڑا۔ مگر بوزفلینی بچ گیا۔ اور فوراً
دوسری گاڑی لے کر روانہ ہو گیا۔

آئرلینڈ میں دوڑ ہوتی ہے۔ جو ٹورسٹ
ٹرافی کے نام سے مشہور ہے۔ اس دوڑ میں
سمسٹر نامی ایک شخص نے حصہ لیا۔ دوڑتے
دوڑتے ایک بے ڈھب کونا آگیا۔ سمسٹر نے
اس کا غلط اندازہ لگایا جس سے اس کی گاڑی
دائیں کنارے سے ٹکرائی اور قابو سے باہر
ہو گئی۔ وہ کچھ اس زور سے لگی تھی کہ سڑک کے
اس پار گری جہاں اس نے ایک اور ٹکر کھائی
اور پھر اچھل کر جھاڑیوں کے دوسری طرف کھیت
میں گری اور ٹھہر گئی۔ بھلا اس کے بعد سمسٹر
کے بچنے کی کون امید کر سکتا تھا۔ لیکن وہ اور

اس کا مستری دونوں بچ گئے۔ اور کسی کے بھی چوٹ نہ آئی۔

ابراہیم:- یہ تو بہت ہی تعجب انگیز ہے۔

احمد:- ہاں یہ تو تعجب کی بات ہے لیکن دوڑ میں حصہ لینے والے لوگ نڈر تھے ورنہ بچتے نہیں۔ اور ان ہی پر موقوف نہ تھا جہاں جہاں دوڑ ہوتی ہے حادثات پیش آتے ہیں۔ دوڑ بُرک لینڈز میں بھی ہوتی ہے جو دو بری بارہ گھنٹے کی دوڑ کہلاتی ہے۔ اس دوڑ میں گاڑیاں بارہ بارہ گھنٹے تک دو دن متواتر دوڑتی رہتی ہیں ۱۹۳۰ء میں گاڑیاں لڑیں۔ اور پہلے دن کے آخری گھنٹے میں لڑیں۔ اس وقت موٹروں کی رفتار بہت تیز تھی۔ تاکہ رات سے پہلے زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کرلیں۔ اس ہوس میں گاڑی جنگلے سے لگ گئی اس پر اس کا بریک دبایا تو وہ اچھل پڑی۔ دو اور گاڑیاں بہت تیزی سے جا رہی تھیں۔ دونوں برابر برابر جا رہی تھیں، دوڑ میں پہلے تو پہیے لڑے اور پھر گتھ گئے۔ اب تو گاڑیاں بہت تیزی سے گھومنے لگیں اور ٹائریں سے شور پیدا ہوا۔ اس کش مکش میں ایک گاڑی راستے کے کنارے سے لڑی اور جنگلے میں سے اوندھ گئی اور اس کے پہیے ہوا میں تھے اور نیچے جا رہی تھی۔ یہاں تک کہ ٹھیک ۲۰ گز کے فاصلے پر جاکر لڑی اور بالکل چکنا چور ہو گئی۔

جنگلے کی سلاخیں موٹر کے دھکے سے راستے میں آپڑی تھیں، تاروں کے تار مڑی ہوئی موٹروں نے توڑ ڈالے تھے اس حالت میں بھلا موٹر چلانے والا کہاں بچ سکتا تھا۔ لیکن مستری اور وہ دونوں نکلے اور دوسروں کو سنبھالنے لگے۔

ابراہیم:- آخر اس سے فائدہ کیا ہے؟

احمد:- دنیا کے تمام اچھے اور بڑے کام وہی لوگ کرتے ہیں جو نڈر ہوتے ہیں

اور باتوں کو جانے دو۔ موٹروں کو ہی لے لو۔ اگر تم کسی موٹر کے کارخانے میں جاؤ تو تم کو معلوم ہوگا کہ پچھلے سال جو موٹریں بنی تھیں اس سال کی موٹریں ان سے اچھی ہیں پھر ہر کام کے لئے علیحدہ قسم کی موٹر۔ یہ کیسے ہوا ؟ یہ نڈر لوگ جو بے خوف ہو کر موٹریں دوڑاتے ہیں۔ موٹر بنانے والوں کو بتاتے ہیں کہ ان کی موٹر میں کیا خرابی ہے۔ کب پیدا ہوتی ہے۔ کتنی رفتار تک موٹر ٹھیک چلتا ہے۔ لوٹنے اور ٹکرانے کی حالت میں وہ کہاں تک مسافر کو بچاتا ہے۔ غرض اس قسم کی بہت سی باتیں بتاتے ہیں جن کو وہ خیال میں رکھتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ دور کر دیں اسی طرح ان کی تفریح بھی ہوتی ہے۔ دل بھی بڑھتا ہے اور ان کے ملک کے کاریگروں کو مفید مشورہ بھی ملتا ہے۔

ابراہیم :۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ ہر شخص کو بے خوف ہونا چاہیئے ڈرپوک تو کچھ بھی ترقی نہیں کر سکتے

لطیفے

ماں :۔ حامد میں نے تمھیں کے دفعہ منع کیا کہ اس ٹین کو نہ بجاؤ لیکن تم نہیں مانتے

حامد :۔ امی جان آپ نے سات دفعہ منع کیا۔

خلیل (محمود سے) دوست تمھیں اپنی لنگڑے پن کی وجہ سے اسکول میں بڑی تکلیف ہوتی ہوگی

محمود :۔ مجھے تو بہت فائدہ ہے۔

خلیل :۔ وہ کیا ؟ محمود :۔ مجھے ڈرل نہیں کرنا پڑتی۔

محمد جمیل الرحمن ۔ درجہ ہشتم

ہمارا سفر

(۲)

(از جناب مولوی شفیع الدین صاحب ٹیچر ماڈرن ہائی اسکول نئی دہلی)

پچھلے نمبر کے مضمون میں جناب ماسٹر صاحب اپنے شاگردوں سمیت ہردوار کی سیر کرتے کرتے کنکھل تک پہنچ گئے تھے ۔ اس مضمون میں انھوں نے کنکھل اور دوسرے مقامات کی سیر کا حال بیان کیا ہے۔ (ایڈیٹر)

دریائے گنگا کے کنارے اس زمانے میں تو ایک مختصر سی بستی ہے لیکن ہندوں کی تاریخ میں بہت مشہور جگہ بیان کی گئی ہے۔ یہ ہندوؤں کے ایک دیوتا شوجی کی بیوی پاربتی جی کے باپ کی راج دھانی تھی ۔ یہ پاربتی جی ستی بھی کہلاتی ہیں ۔ یہیں ایک یگ (جلسے) میں پاربتی جی اپنے خاوند شوجی کی بے آبروئی برداشت نہ کر سکی تھیں اور اپنی جان گنوا دی تھی ۔ راستے میں ہم نے وہ مقام بھی دیکھا جہاں دریائے گنگا کا پانی روک کر نہر نکالی گئی ہے۔ یہ نہر تین سو میل کے قریب لمبی ہے اور کانپور پہنچ کر دریائے گنگا سے جا ملی ہے ۔ نہر کے پانی میں بہاؤ کی تیزی دیکھ کر یہ گمان ہوتا ہے ۔ کہ پانی کو گنگا سے بچھڑنے کا بہت رنج اور اب تیزی سے کانپور پہنچ کر دوبارہ اس سے ہم کنار ہونا چاہتا

ہے۔ یہاں کچھ مندر اور دیکھ دا کھ کر جائے قیام
پر آ گئے اور چار بجے شام کی گاڑی سے
دہرادون روانہ ہوئے

دہرادون اور مصوری

دہرادون پہنچنے کے بعد مصوری جانا
طے ہوا۔ ۱۸ نومبر کو ٹھیک دس بجے دو لاریوں
میں سوار ہو کر مصوری روانہ ہو گئے۔

دہرادون سے مصوری کا فاصلہ اگر
پیدل جائیں تو کُل سات میل ہے۔ لیکن لاری
کو بائیس میل چلنا پڑتا ہے۔ پہلے راجپور مقام
آیا۔ یہ سطح سمندر سے تین ہزار فٹ بلندی پر
واقع ہے اور خاصا آباد نظر آتا ہے۔ رستے میں ایک
اور مقام پر بھی لاریاں رکیں۔ جہاں فی آدمی
ایک روپیہ آٹھ آنے ٹیکس ادا کرنا پڑا۔ اس
کے بعد لاریاں مصوری ہی جا کر ٹھہریں۔ راستے
میں خوب خوب چکر آئے۔ اور بعض کا دوران
سر (سر گھومنے) کی وجہ سے بُرا حال ہو گیا
لاریوں سے اُتر کر نگاہ جو ڈالی تو چاروں طرف
سرسبز پہاڑیاں نظر آئیں۔ نیچے نگاہ کی تو گہرے
گہرے کھڈ دکھائی دیے۔ پہاڑیوں کو دیکھ
کر مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی تو کھڈوں کو دیکھ کر
دل لرز گیا۔

مصوری:۔ صوبجات متحدہ آگرہ و اودھ کا ایک
صحت افزا مقام ہے۔ ہزار ہا بنگلے پہاڑیوں
پر بنے ہوئے ہیں۔ اگر مصوری کی بستی کا
اندازہ لگایا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مصوری
بیسیوں ہی میل کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔

یہ شہر چھ، سات ہزار فٹ کی بلندی پر
واقع ہے۔ سردیوں کے زمانے میں یہاں
سردی بہت پڑتی ہے۔ لوگ زیادہ تر گرمیوں
کے موسم میں یہاں آتے ہیں۔ اور اسی زمانے
میں خوب رونق اور چہل پہل رہتی ہے۔ اور سردیوں
میں سناٹا چھا جاتا ہے۔ ایک مقام پر کچھ کھا پی کر
ایک سڑک پر جا کر کے جو کیمل بیک روڈ
(Camelback Road) کہلاتی ہے یہاں
کھڑے ہو کر نگاہ جو ڈالی تو بہت دور ہمالیہ پہاڑ
کی برف سے ڈھکی ہوئی۔ آسمان سے باتیں کرتی
چوٹیاں نظر آئیں۔ اس پہاڑ کی عظمت و شان

کا حال اب تک کتابوں میں پڑھا تھا یا حضرات
شعرا کے اشعار سے کچھ اندازہ ہوتا تھا۔ آج
آنکھوں سے دیکھ کر سب کی تصدیق ہو گئی
فوراً ڈاکٹر محمد اقبال کے یہ اشعار یاد آ گئے اور
اس وقت ان اشعار کا دل پر خاص اثر ہوا

اے ہمالہ اے فصیل کشور ہندوستاں
زیب دیتا ہے اگر کہیئے تجھے سارا جہاں
تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردش شام و سحر کے درمیاں
ایک جلوہ تھا کلیم طور سینا کے لئے
تو سراپا ہے تجلی چشم بینا کے لئے[۵]

نظر کے سامنے پہاڑیاں تھیں۔ اور جہاں
تک نگاہ پہنچتی تھی پہاڑیوں کے سلسلے نظر آتے
تھے۔ ایک دوسرے سے اونچا۔ مگر ان سب سے
بہت دور، اور سب سے بہت اونچا ایک اور
سلسلہ نظر آیا جس کے اوپر کا حصہ برف سے
ڈھکا ہوا تھا۔ سبز اور سنہری لباس پر یہ برف
جیسا سفید آبی دوپٹہ، کیسا خوشنما نظر آتا
تھا۔ ہوا اور سورج کی کرنیں اس کے دامنوں
سے کھیلتی ہوئی دکھائی دے رہی تھیں

یہ منظر دیکھ کر ہم سب ایک پہاڑی
پر چڑھے۔ یہاں پانی کا خزانہ تھا۔ اور چوٹی
پر ایک توپ رکھی ہوئی تھی۔ وہاں سے اتر کر
ایک جگہ دعوت اڑائی۔ اور شام تک پھرتے
پھراتے اس مقام پر پہنچ گئے۔ جہاں لاریاں
ہمارا انتظار کر رہی تھیں۔ لاریوں میں بیٹھ کر
پیچھے کو روانہ ہو گئے۔ ابھی رات نے اپنا سیاہ
شامیانہ تانا ہی تھا کہ ہم لوگ جائے قیام
(ٹھہرنے جگہ) پر پہنچ گئے۔

۱۹ نومبر کو دہرادون کی بعض عمارتیں
دیکھیں۔ نیز فورسٹ کالج (جنگلات کا کالج)
اور اس کا عجائب خانہ دیکھا۔ فورسٹ کالج
کی عمارت نہایت شاندار ہے۔ اور چاروں
طرف دور دور تک اسی سے متعلق عمارتیں

۵: ان شعروں کا مطلب تم اپنے اردو کے استاد سے پوچھ لینا وہ تمہیں اچھی طرح بتا دیں گے۔

اور میدان نظر آتے ہیں ۔ یہ عمارت دومنزلا ہے ۔ کمرے چوڑے ، سامان قیمتی ، صفائی اور خوش نمائی کا کیا پوچھنا ۔ گوشہ گوشہ اور کونہ کونہ آئینے کی طرح صاف اور شفاف ، یہاں کا عجائب خانہ دیکھنے کے قابل ہے اس میں کھیتی باڑی کے متعلق عجیب وغریب چیزیں رکھی ہیں ۔ اسے دیکھ کر کھیتی اور کسانی کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوسکتی ہیں ۔ اس کے بعد ہم لوگوں نے کاغذ بنانے اور لکڑی کے کارخانے دیکھے اس کے بعد ہم آبزرویٹری (Observatory) گئے جہاں بعض نہایت مفید اور قیمتی آلات دیکھے ۔ شام کو گھر آگئے

۲۰ نومبر ہمارے سفر کا آخری دن تھا دس بجے ہم لوگ اکادمی (Academy) گئے ۔ جہاں فوجی افسروں کو تعلیم وتربیت دی جاتی ہے ۔ اس کے بعد ایک صاحب کے ہاں دعوت کھائی ۔ اور لاریوں میں سوار ہوکر درہ موہن میں سے گذرتے ہوئے اور راستے کے مناظر کا لطف اٹھاتے سہارنپور ریلوے اسٹیشن پر پہنچے ۔ جہاں سے ریل میں سوار ہوکر دہلی آگئے ۔ اس طرح یہ ہمارا دلچسپ سفر ختم ہوا ۔

لطیفہ

پولیس انسپکٹر :۔ (سپاہی سے) کیوں جی تم نے چور کیوں نہیں پکڑا ۔

سپاہی :۔ صاحب میں اس کے پیچھے بہت دور تک بھاگتا رہا لیکن وہ ایک ایسے مکان میں گھس گیا جس کے دروازے پر لکھا تھا " اندر آنے کی اجازت نہیں ۔"

آب دوز کشتی

محمد احمد سبزواری صاحب ، نائب مدیر " نورس "

انسان کی خواہشوں ، حوصلوں اور ارادوں کو ایک جگہ قرار نہیں ہے۔ اگر ایک طرف اس کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ ہوا میں پرندوں کی طرح اُڑے تو دوسری طرف یہ جی چاہتا ہے۔ کہ مچھلیوں کی طرح سمندر میں غوطے لگائے چنانچہ اپنی پہلی خواہش کو اس نے ہوائی جہاز کے ذریعے اور دوسری کو آب دوز کشتی سے پورا کیا۔

جس زمانے میں ہندوستان میں غدر ہوا تھا۔ اس کے چند سال کے بعد امریکا میں بھی ایک لڑائی ہوئی تھی ، جسے " سول وار آف امریکا " کہا جاتا ہے۔ اس لڑائی میں سب سے پہلی مرتبہ غبارے اور آب دوز کشتی کا استعمال کیا گیا۔ اس کشتی کا نام "ہنڈلے" تھا۔ یہ صرف چند منٹ تک پانی میں رہ سکتی تھی۔ اس کے اندر ۹ ملاح بیٹھ سکتے تھے۔ اور ایک تارپیڈو[ط] بھی تھا اس نے ایک مرتبہ دشمن کے جہاز پر تارپیڈو

ط یہ ایک قسم کی توپ ہوتی ہے جس میں اون، گندھک بارود اور دوسرے آگ لگ جانے والے مصالحے بھرے جاتے ہیں یہ مصالحے بڑے بڑے جہازوں کو آسانی سے ڈبو سکتے ہیں اور سمندر کے بڑے حصے میں اس سے تلاطم (ہلچل یا کھلبلی) پیدا ہو جاتا ہے۔

کے ذریعے حملہ کیا۔ اور وہ جہاز ڈوب گیا مگر خود یہ کشتی بھی بچ کر نہ نکل سکی اور ڈوب گئی اس کے بعد آہستہ آہستہ اس قسم کی کشتیوں میں تبدیلی ہوتی رہی۔ ایک شخص نے ان میں بجلی کا انجن لگایا۔ جو بہت فائدہ مند ثابت ہوا۔

یہ تو تم جانتے ہی ہوگے کہ ہر سال دو چار جہاز سمندر میں ڈوب جاتے ہیں اور ان میں آدمیوں کے علاوہ بہت سا قیمتی سامان بھی ہوتا ہے۔ وہ سب بھی سمندر کی تہ میں بیٹھ جاتا ہے۔ پرانے زمانے میں تو اس قسم کے حادثے بہت کثرت سے ہوتے تھے۔ چنانچہ ان ہی ڈوبے ہوئے جہازوں کا سامان نکالنے کے لئے انیسویں صدی کے آخر میں ایک شخص سیمل لیک نے بہت سی کشتیاں بنائیں۔ یہ جب سطح سمندر پر چلتی تھیں تو پیٹرول کے انجن سے چلائی جاتی تھیں اور سمندر کے نیچے بجلی کے انجن کا استعمال ہوتا تھا۔ ان کشتیوں میں پانی کے چھوٹے چھوٹے تالاب بھی تھے۔ جب کشتی کو پانی کے نیچے لے جانا ہوتا تھا۔ ان تالابوں میں پانی بھر لیا جاتا تھا۔ اور جب اوپر آنا ہوتا تھا تو ان کا پانی نکال دیا جاتا تھا

لیکن آج کل کی آب دوز کشتیاں جان ہالینڈ کی کشتیوں کے نمونے پر بنتی ہیں یہ شخص آئرلینڈ کا رہنے والا تھا، اٹھارہ سال کی عمر میں امریکا چلا گیا تھا۔ وہاں اس نے آب دوز کشتیاں بنانے کے کارخانے میں کام کیا اور بہت جلد نئی کشتیاں تیار کیں۔ یہ ایک گھنٹے میں آٹھ میل چل سکتی تھیں۔ اور پندرہ سو میل تک بغیر پانی کی سطح پر آئے ہوئے سمندر کے اندر رہ سکتی تھیں۔ اس کے بعد مختلف ملکوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اس قسم کی کشتیاں جنگ کے لئے بہت مفید ہیں۔ چنانچہ جرمنی نے اس قسم کی کشتیاں بہت بنائیں اس نے ایک قسم کا تیل بھی ایجاد کیا۔ وہ اسی تیل کے ذریعے سے کشتیاں چلاتا تھا۔ اب تک پیٹرول کی وجہ سے یہ خطرہ تھا کہ پیٹرول بھاپ بن کر کشتی کی ہوا میں مل جایا کرتا تھا اور اگر بجلی کا کوئی شعلہ انجن سے باہر نکل آتا تو آگ لگ

جایا کرتی تھی مگر اس نئے تیل کی امداد سے یہ دقت دور ہوگئی۔

جنگ عظیم کے زمانے میں ہر ملک نے اس قسم کی کشتیاں بنائیں۔ مگر جرمنی سب سے آگے تھا۔ جرمن کشتیوں میں ۴۰ آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ ہر کشتی میں دو بڑے صاف آئینے ہوتے تھے جن کی مدد سے سمند کے اندر سے اوپر اور آس پاس دیکھا جاسکتا تھا۔ ہر کشتی میں ایک تارپیڈو ہوا کرتا تھا۔ یہ ایک قسم کی سگار کی شکل کی نلکی ہوتی ہے۔ جس میں مختلف قسم کے مصالح بھرے جاتے ہیں اور جب دشمن کے جہاز کو غرق کرنا ہوتا ہے تو اُن کو چلاتے ہیں یہ پانی کے اندر ہی اندر جاکر جہاز سے ٹکراتے ہیں اور تھوڑی دیر میں اسے ڈبو دیتے ہیں۔ جنگ کے زمانے میں سلطنت برطانیہ نے بھی آب دوز کشتیوں میں نئی ایجادیں کیں۔

آج کل ایک آب دوز کشتی ۵۰ گھنٹے کے قریب سمندر میں رہ سکتی ہے اس میں خالص ہوا کا کافی انتظام ہوتا ہے کیونکہ یہ بڑے بڑے جہازوں کو بہت جلدی ڈبو سکتی ہے اس لئے ہر ملک کو ان سے بہت خطرہ پیدا ہوگیا ہے چنانچہ جنگ کے زمانے ہی میں انگلستان کے ہوائی جہازوں نے بری طرح سے دشمن کی آب دوز کشتیوں کا پیچھا کیا اور ان کو بری طرح سے تباہ و برباد کردیا۔ ابھی تھوڑا عرصہ ہوا۔ کہ امریکا والوں نے ایک قسم کا آلہ ایجاد کیا ہے جس کو ہائیڈروفوں (Hydrophone) کہتے ہیں۔ اس آلے کی مدد سے پانی کے اندر کی چھوٹی سے چھوٹی آواز بھی بڑی ہوکر سنائی دیتی ہے اس آلے کی مدد سے آب دوز کشتی کے انجن کی آواز میلوں سے سنائی دیتی ہے اور بہت آسانی سے کشتی کا پتہ لگا لیا جاسکتا ہے اس قسم کی نئی ایجادوں نے آب دوز کشتیوں کے خطرے کو بہت کم کردیا ہے لیکن ہر ملک آج کل ان میں اصلاح اور ایجاد کررہا ہے اور اگر خدانخواستہ حال میں کوئی جنگ چھڑ جائے تو بہت سی نئی قسم کی کشتیاں اس لڑائی میں حصہ لیں گی۔

میری بہادری

(از جناب رشید الدین صاحب طالب علم اسلامیہ ہائی اسکول بھاٹی گیٹ لاہور)

بچپن کے دن کھانے کھیلنے اور شرارت کے دن ہوتے ہیں۔ یہ عمر ہی ایسی ہے میرے خیال میں تو ایسا کوئی بھی نہیں جو چھوٹی عمر میں شریر نہ ہوتا ہو۔ میں خود بچپن میں بہت شریر تھا۔ ہر روز نئی نئی شرارتیں سوجھتی تھیں۔ کبھی کبھی تو اپنی شرارتوں کی کافی سزا بھی مل جاتی تھی۔ آج میں اپنی ایک دلچسپ شرارت کا قصہ سناتا ہوں۔

ایک دفعہ ہمارے یہاں چند مہمان آئے محرم کی چھٹیاں تھیں، ان دنوں لاہور میں کافی چہل پہل رہتی ہے۔ یہ لوگ ہمارے ہاں کئی دن رہے۔ ان کے ساتھ چند لڑکے بھی تھے۔ جو میری ہی عمر کے تھے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ اپنی عمر کے آدمی سے ایک لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور بچوں میں تو یہ بات خاص طور پر ہوتی ہے۔ پہلے تو میں اُن سے اور وہ مجھ سے شرماتے رہے مگر تھوڑی دیر میں ہم سب بے تکلف ہو گئے

میرے کمرے کے ساتھ ہی ابّا کا کمرہ ہے ان کی میز پر ایک بہت عمدہ اور خوبصورت کھال تھی۔ دو تین ہی دن پہلے ان کے ایک دوست نے انھیں تحفے کے طور پر بھیجی تھی، شاید وہ بھیڑئے کی کھال تھی، میں چپکے سے ابا کے کمرے میں گیا اور کھال اٹھا کر اپنے کمرے میں لے آیا۔

شام ہو گئی تھی سب لوگ کھانا کھانے کی غرض سے کھانے کے کمرے چلے گئے تھے، مگر میں اپنے کمرے میں آبیٹھا اور کچھ سوچنے لگا۔ اتنے میں بشیر بھی آگئے اور پوچھنے لگے، کیوں جناب یہاں اکیلے بیٹھے آپ کیا کر رہے ہیں، بشیر کو دیکھ کر اچھل پڑا، جلدی سے اپنے پاس بلایا۔ اور ایک کرسی پر بٹھا کر کہا۔ بھائی آج ہم اپنے دوست امجد فاروق اور اظہر وغیرہ کو بے وقوف بنانا چاہتے

ہیں بشیر نے کہا "یہ تو ہم پہلے ہی جانتے تھے کہ کوئی شرارت کی اسکیم سوچی جا رہی ہے مگر کس طرح بے وقوف بناؤگے" میں نے بتایا کہ "میرے پاس بھیڑئے کی کھال ہے تم اسے اوڑھ لینا اور سب سے اوپر کی منزل پر کونے میں دبک کر اس طرح بیٹھ جانا جیسے سچ مچ کوئی جانور ہی ہو۔ بشیر نے اس تجویز کو بہت پسند کیا اور فوراً راضی ہو گئے۔ وہ تو ایسی شرارتوں کی گویا فکر ہی میں رہتے تھے ہم دونوں اوپر کی منزل پر گئے میں نے بشیر کو کھال اڑھا دی اور اتفاق دیکھو کہ ان کے جسم پر بالکل ٹھیک آئی وہ بڑی ہشیاری سے وہاں بیٹھے رہے۔ اور میں نیچے اتر آیا۔

اس عرصے میں سب کھانا کھا کر فارغ ہو چکے تھے۔ فاروق کہنے لگے آج ہم اوپر والی منزل پر نہیں گئے، چلو ذرا اوپر چل کر بیٹھیں، بڑی اچھی ہوا چل رہی ہے۔ سب نے ہاں میں ہاں ملائی اور چھت پر چلے، اندھیرا کافی ہو چکا تھا امجد میاں آگے آگے سب کو راستہ دکھا رہے تھے باقی لوگ ان کے پیچھے تھے

بشیر پہلے ہی سے ہوشیار بیٹھے تھے امجد کو دیکھتے ہی انھوں نے اس طرح ہلنا شروع کیا جیسے کوئی جانور ہو، امجد نے جوں ہی کوئی چیز اپنے سامنے ہلتی دیکھی تو گھبرائے۔ بشیر نے آہستہ آہستہ غرانا بھی شروع کیا۔ اب تو امجد کو یقین ہو گیا کہ ضرور کوئی جانور ہے۔ بے چارا مارے خوف کے کانپنے لگا۔ بشیر نے پھر ہلنا شروع کیا اور میاں امجد بڑی تیزی سے پیچھے کو بھاگے۔ ہم نے بھی پیچھے ہٹ کر دم لیا۔

اب ہم سب میں کونسل شروع ہوئی کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کون جانور ہے۔ نہ کسی میں اتنی ہمت تھی کہ اوپر جاکر دیکھے۔ آخر میں نے کہا آپ لوگ بہت ڈرپوک ہیں لیجئے میں جاتا ہوں دیکھوں تو کون سا شیر بیٹھا ہے جو ہمیں کھا جائے گا" میں نے چھڑی ہاتھ میں لی اور بے جھجک زینے پر چڑھ گیا اوپر جاکر میں نے چھڑی کو اس طرح زمین پر مارنا شروع کیا جیسے کسی جانور کو مار رہا ہوں۔ نقلی بھیڑیے صاحب بھی چیختے ہوئے بھاگ نکلے۔ اور دوسرے زینے سے اتر کر

جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب شیخ الجامعہ - آپ جامعہ کی عمارتوں کے واسطے چندہ کرنے دورہ پر تشریف لے گئے تھے - مرادآباد - بجنور - سہارنپور اور مظفرنگر میں آپکو خاص کامیابی ہوئی -

جناب شفیق الرحمن صاحب قدوائی ناظم ہمدردان جامعہ - آپ بھی اس سلسلے میں جناب شیخ الجامعہ کے ساتھ دورے پر تشریف لے گئے تھے - اور آپ پھر جون کے پہلے ہفتے میں بریلی - بدایوں - شاہجہانپور اور پیلی بھیت تشریف لے جائیں گے -
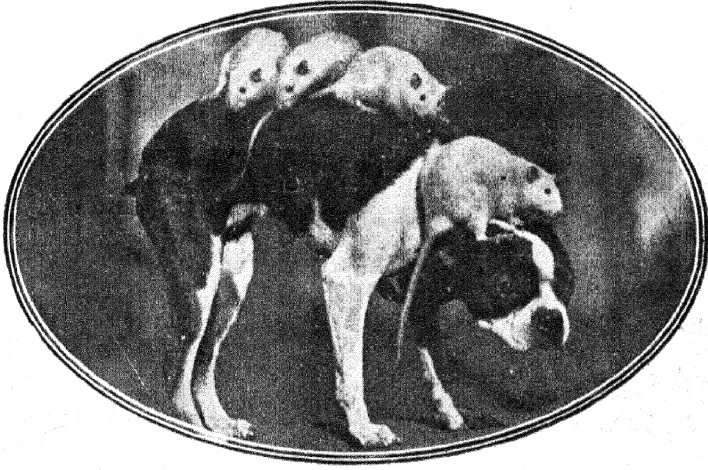
ان چوہوں میں اور کتے میں بڑی دوستی ہوگئی ہے ۔ اور چوہے بلاخوف و خطر اپنے دوست کے سر اور پیٹھ پر بیٹھ کر دور دور کی سیر کر آتے ہیں -
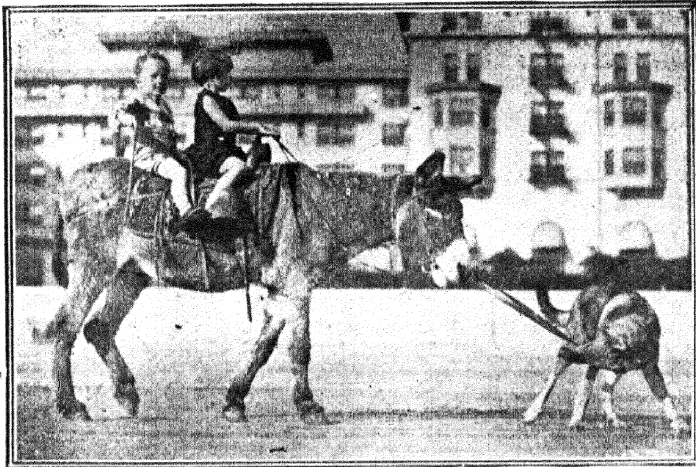
یہ ننھے ننھے بچے اس گدھے پر سوار تفریح کے لئے جا رہے ہیں اور یہ میاں کتے صاحب گدھے کی لگام منہ میں لئے انہیں ٹہلانے لے جا رہے ہیں

Calcutta Art Press Delhi.

نیچے آ گئے۔ اس کے بعد نیچے آکر سب کو بتایا کہ میں نے اس جانور کو مار بھگایا ہے۔ یہ بھی بتا دیا کہ وہ بھیڑیا تھا۔ سب میری بہادری کی دل سے تعریف کر رہے تھے اور ہم تیس مار خاں بنے ہوئے خوب اکڑ رہے تھے، پھر ہم سب چھت پر گئے بشیر بھی آ گئے اور پوچھنے لگے۔ بھئی یہ شور کیسا تھا کیا بات ہوئی"۔ امجد نے انھیں تمام داستان سنائی۔

ٹہلتے ٹہلتے ہم لوگ برآمدے میں پہنچے تو بھیڑئے کی کھال نظر پڑی فاروق دیکھتے ہی ٹھٹک گیا اور سر ہلا کر بولا" بس جناب اب سمجھ گئے کہ بھیڑیا کون تھا.......... فاروق نے ابھی جملہ ختم نہیں کیا تھا کہ بشیر کھلکھلا کر ہنس پڑا، پھر کیا تھا تمام بھانڈا پھوٹ گیا، امجد بول اٹھا۔ سمجھے آپ یہ سب کارروائی میاں بشیر ہی کی تھی، ہاتے تیری پاجی کی تو نے ہمیں بہت دھوکا دیا۔ پھر غضب دیکھو آپ الٹا ہم ہی سے پوچھتے ہیں کہ "شور کیا تھا" فاروق میاں میری طرف اشارہ کرکے بولے اور جناب تیس مار خان صاحب آپ بھی اس شریر کے ساتھ۔ تھے واہ وا کیا بہادری دکھائی ہے رستم کو مات دے دی

اظہر:۔ مگر بھائی سوجھی خوب آپ کو۔

پھر ہم نے انھیں پورا قصہ کہہ سنایا اور اس کے بعد سب نیچے چلے آئے ہیں اور بشیر کھانے کے کمرے میں کھانا کھانے لگے اور باقی دوست گراموفون سنتے رہے۔

لطیفہ

ماسٹر صاحب۔ مسعود بتاؤ۔ دنیا میں سب سے امیر آدمی کون ہے؟

مسعود:۔ ٹولٹ صاحب (ToLet)

ماسٹر صاحب:۔ کیوں؟

مسعود:۔ اس لئے کہ شہر کے زیادہ تر مکانوں پر ان ہی کی تختی ٹنگی ہے

خط و کتابت

جناب ایڈیٹر صاحب، تسلیم۔

مجھے بھی ٹکٹ جمع کرنے کا شوق ہے اور میں نے مختلف ملکوں کے تقریباً ڈیڑھ (۱½) ہزار ٹکٹ جمع کیے ہیں جن بھائی کو ریاست حیدرآباد کے ٹکٹوں کی ضرورت ہو۔ وہ مجھ سے یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کے ٹکٹوں سے مبادلہ کر سکتے ہیں۔ فقط

محمد باقر امام

معرفت جناب پرنسپل صاحب عثمانیہ کالج۔ اورنگ آباد

جناب ایڈیٹر صاحب۔ السلام علیکم

جب سے آپ نے رسالہ پیام تعلیم میں ٹکٹوں کے متعلق شوق دلایا ہے۔ اس وقت سے میں نے ٹکٹ جمع کرنے شروع کر دئے ہیں۔ اس وقت تک کوئی ننانوے کے قریب ٹکٹ جمع ہو چکے ہیں۔ ان میں امریکا کے بھی ہیں۔ ہندوستان کے بھی اور نئی دہلی کے افتتاحی ٹکٹ بھی ہیں۔ اگر کوئی بھائی خریدنا چاہیں تو میں دو پیسے والے ٹکٹ بیچ سکتا ہوں۔ میرا نام بھی براہ مہربانی ٹکٹ جمع کرنے والوں کی فہرست میں شریک کر لیجیے

خاکسار عمر کامل معرفت حکیم محمد کامل صاحب، بلیماران دہلی

جناب ایڈیٹر صاحب! تسلیم۔

میں نے آج کل ٹکٹ جمع کرنے شروع کر دے ہیں اور کوئی ایسی کتاب پڑھنا چاہتا ہوں جس میں ان کا مکمل حال ہو کیا آپ برائے مہربانی مجھے ایسی کتابوں کے نام لکھ کر بھیج سکتے ہیں جس میں اس مضمون کا مکمل حال ہو۔ دوسرے آپ مہربانی فرما کر یہ بتائیں کہ کسی کو ایک ہی قسم کے بہت سے ٹکٹ مل جائیں تو وہ کیا کرے۔ کیا سب ٹکٹ البم میں لگالے یا صرف ایک مہربانی کر کے اس کا مکمل جواب دیں۔ خاکسار شام کمار جماعت دہم معرفت مولوی عبدالغنی صاحب ادنیل نیشنل ہائی اسکول، پشاور

(۱) آپ کا خط شمیم صاحب کو بھیج دیا گیا ہے۔ وہ آپ کو جواب دے دیں گے (۲) ایک ہی ٹکٹ لگائیے۔ زیادہ ٹکٹ مبادلے کے لئے محفوظ رکھئے۔ ایڈیٹر

جناب ایڈیٹر صاحب تسلیم

پیام بھائیوں کو ٹکٹ جمع کرنے کے علاوہ مختلف زمانے کے سکے بھی جمع کرنے چاہئیں۔ مثلاً انگلینڈ کے پونڈ، شلنگ فارذنگ وغیرہ۔ سی طرح ہندوستان کے مختلف زمانوں کے سکے۔ جو پیام بھائی ٹکٹ اور سکے جمع کرنا چاہیں وہ مجھے لکھیں۔

خاکسار سید اطہر حسین معرفت خانصاحب سید ظفر حسین صاحب انسپکٹر آف اسکولز۔ امراؤتی۔ کیمپ

جناب ایڈیٹر صاحب۔ تسلیم

بڑی خوشی کی بات ہے کہ پیام تعلیم بہت تیزی سے ترقی کر رہا ہے۔ مئی کے پرچے میں شفاعت علی صاحب کے دونوں پہلے تعویذوں میں کچھ غلطی رہ گئی ہے پہلے تعویذ میں دونوں طرف سے عددوں کو ترچھا جوڑا جائے تو چودہ

۲		۴
	۴	
۵		۷

کی جگہ ۱۳ آتے ہیں۔ دوسرے تعویذ میں ۴ ۷ ۱۰ ۱۵ ۵ جوڑنے سے بجائے چالیس کے اکتالیس آتے ہیں۔

ینماد۔ از میرٹھ

جناب اڈیٹر صاحب۔ تسلیم

الوکھے عدد کے دو نقش بھیجتا ہوں۔ مہربانی فرماکر چھاپ دیجئے۔ پہلا اٹھارہ کا ہے۔ دوسرا ۲۷ کا

۷	۸	۳
۲	۶	۱۰
۹	۴	۵

۶	۱۱	۱۰
۱۳	۹	۵
۸	۷	۱۲

نظام الدین منڈی بیٹھ۔ حیدرآباد دکن

جناب اڈیٹر صاحب۔ تسلیم

۱۸ کا ایک نقش بھیج رہا ہوں۔ مہربانی فرماکر چھاپ دیجئے

۷	۵	۶
۳	۴	۵
۸	۹	۷

یوسف علی خاں۔ درجہ ششم
پربھنی۔ دکن

جناب اڈیٹر صاحب۔ تسلیم

میں آپ کی خدمت میں کئی نقشے طرح طرح کے بھیج رہا ہوں۔ مہربانی فرماکر شائع کردیجئے۔

۱۰	۳	۸
۵	۷	۹
۶	۱۱	۴

۱۴	۲	۱۲
۴	۱	۱۴
۸	۱۴	۴

۹	۲	۷
۶	۴	۸
۵	۱۰	۳

۲۴	۳	۱۸
۹	۱۵	۲۱
۱۲	۲۷	۶

صباح الدین احمد۔ (عمر ۱۱ سال)
سمتی پور

جناب اڈیٹر صاحب۔ تسلیم

الوکھے عدد کا سلسلہ اس قابل ہے کہ ہمیشہ جاری رکھا جائے ہم ماہر تعلیم صاحب کا بہت شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں نے اپنے مضمونوں کے ذریعے ہمیں نئی نئی باتیں بتائیں۔ انشاء اللہ میں بھی اس سلسلے میں کچھ بھیجوں گا

(افسوس ہے کہ اس مہینے ماہر تعلیم کا کوئی مضمون نہیں شائع ہوا۔ وہ آج کل بے حد مصروف ہیں اور باوجود کوشش کے مضمون لکھنے کے لئے وقت نہ نکال سکے۔ ایڈیٹر)

جناب اڈیٹر صاحب۔ تسلیم

الوکھے عدد کا ایک نقش بھیج رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ شائع کردیں گے۔ خاکسار۔ ابوالفضل محمد علوی
الہ آباد

۳۰	۲۹	۴۸	۱۱	۱۰	۱۹	۲۸
۳۸	۴۷	۷	۹	۱۸	۲۷	۳۹
۴۴	۶	۸	۱۷	۲۶	۳۵	۳۷
۵	۱۴	۱۶	۲۵	۳۴	۳۶	۴۵
۱۳	۱۵	۲۴	۳۳	۴۲	۴۴	۴
۲۱	۲۳	۳۲	۴۱	۴۳	۳	۱۲
۲۲	۳۱	۴۰	۴۹	۲	۱۱	۲۰

معلومات

کیلی فورنیا کے ایک ڈاکٹر نے ایک مشین ایجاد کی ہی اور دعویٰ کیا ہی کہ جو لوگ گلا گھونٹنے کی وجہ سی مر جاتے ہیں وہ اس مشین کی بدولت زندہ ہو جائیں گے۔ ڈاکٹر نے اس کا تجربہ کتوں پر کیا جو گلا گھونٹنے سے مر گئے تھے ان کا تجربہ کامیاب ثابت ہوا اور وہ زندہ ہو گئے اب انھوں نے اپنے شہر کے حاکموں سی درخواست کی ہی کہ وہ ان مجرموں پر تجربے کی اجازت دیں جنھیں گلا گھونٹ کر مارنے کی سزا دی گئی ہو۔

اگر تم شہر میں رہتے ہو تو ٹیلیفون سی تو اچھی طرح واقف ہو گے اور اس کے ذریعے سے قریب یا دور کے لوگوں سے بات چیت بھی کی ہو گی اب تمھیں یہ سن کر دلچسپی ہو گی کہ ایک نئی قسم کا ٹیلیفون ایجاد ہونے والا ہی جو باتصویر ہو گا۔ یعنی اگر تم اپنے کسی دوست سے جو تم سے ہزاروں میل دور ہی بات چیت کرنا چاہو تو تم اس سے باتیں ہی نہیں کرو گے بلکہ اسے دیکھ بھی سکو گے گویا تم دونوں آمنے سامنے باتیں کر رہے ہو۔ یہ ایجاد بہت جلد وجود میں آنے والی ہی۔

لاسلکی اور پھر ریڈیو کی ایجاد جب سی ہوئی ہی ملکوں ملکوں کے طرح طرح کے گانے اور تقریریں وغیرہ سننے میں آتے ہیں۔ بس اپنے یہاں ایک مشین لگوا لیجئے اور پھر تقریریں گانے وغیرہ جو چاہے سنئے اس سلسلے میں کناڈا میں بہت دلچسپ واقعہ پیش آیا ایک کسان نے چولھا خریدا اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چولھا بولتا ہی۔ اس نے اپنے پڑوسیوں کو بلا کے دکھایا تو معلوم ہوا کہ چولھا لاسلکی (بے تار کی تاربرقی) کے پیام وصول کرتا ہی۔ حالانکہ اس مکان میں لاسلکی کا آلہ بھی نہیں لگا تھا۔

کیلی فورنیا سے خبر آئی ہے کہ وہاں ایک مرا ہوا کتا اب زندہ ہی۔ کتے کا نام تیرہ ہی یہ دوبارہ زندگی

اسے ایک ڈاکٹر کی بدولت نصیب ہوئی تیرہ[13] نام اس لئے پڑا کہ غالباً پچھلے سال اپریل کی تیرہ[13] تاریخ کو وہ مرا تھا۔ اس کی موت کا صرف اسی قدر اثر باقی ہی کہ اس کو اپنی ٹانگوں پر پورا قابو حاصل نہیں ہی لیکن اب معلوم ہوا ہی کہ اسے چلنا سکھایا جا رہا ہی۔

امریکا میں کیڑوں نے ریل کو روک دیا۔ ہوا یہ کہ لاکھوں کیڑے پٹریوں پر آگئے۔ پٹریاں چکنی ہوگئیں۔ ریل جو آئی تو پہیے پھسل گئے اور گاڑی پٹری پر سے اتر گئی اور رک گئی۔

پنسل سے لکھنے سے انگلیاں تھک جاتی ہیں اب ایک پنسل ایجاد ہوئی ہے جو لکھنے والے کو تھکاتی نہیں۔ پنسل کو انگلیوں سے پکڑنے کی جگہ ایسی بنائی گئی ہی کہ انگلیاں اس پر اچھی طرح بیٹھ جاتی ہیں۔ کوئی لکھنے والا کسی دوسرے طریقے سی لکھ ہی نہیں سکتا کہ تھکن پیدا ہو۔ اس سے یہ بھی فائدہ ہی کہ انگلیاں پھسل کر نوک تک نہیں پہنچنے پاتیں۔

لندن کے ایک پروفیسر نے کل کا ایک آدمی بنایا ہی۔ یہ آدمی۔ جو حکم دئے جاتے ہیں انھیں سمجھتا ہی۔ اور ان کی تعمیل کرتا ہی۔ مثلاً اس سے کہا جاتا ہی "جاگو" "کھڑے ہوجاؤ" "ہاتھ اُٹھاؤ" تو وہ فوراً حکم کی تعمیل کرتا ہی۔ اور جب اس سے کہا جاتا ہے تو پستول بھی چلا دیتا ہی۔ جب اس سے پوچھا جاتا ہی کہ تمھاری عمر کیا ہی تو وہ جواب دیتا ہی۔ چودہ برس آواز ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کوئی قبر کے اندر سے بول رہا ہو۔ ایک خاص بات یہ ہی کہ چند منتخب کئے ہوئے لفظ ہیں جن کا وہ جواب دیتا ہی اگر ان کی جگہ اور لفظ بولے جائیں تو یہ کوئی جواب نہ دے گا اور بے حس کھڑا رہے گا۔

جب تک یہ کل مکمل نہ ہوئی تھی تو یہ "کل کا آدمی" کبھی کبھی بد مزاجی بھی کر بیٹھتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ اس نے پروفیسر کے مددگار کو زخمی کر دیا۔ ایک مرتبہ خود اس کی ایجاد کرنے والے یعنی پروفیسر صاحب پر پستول چلا دیا۔ لیکن اب وہ بہت نیک بن گیا ہی کوئی بیس سوالوں کے جواب دیتا ہی۔ اور بہت سے چھوٹے موٹے کام بھی کر لیتا ہی

(سائنس حیدرآباد)

دل چسپ کھیل

آج ہم تمھیں بڑے مزے کا کھیل بتائیں گے لوڈو، اور ڈرافٹ تم کھیلتے ہی ہوگے مگر یہ کھیل ان دونوں سے بھی دلچسپ ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ اس کا تختہ اور گٹیاں (بالکل ایسی جیسی بورڈ میں ہوتی ہیں) تم خود ہی بنا سکتے ہو۔ اس کے لئے کارڈ بورڈ (وصلی یا گتہ) کے خاکی بکس کی ضرورت ہے۔ اس کا ڈھکنا یا نیچے کا حصہ لے لو تصویر سے تمھیں تختی کا نقشہ معلوم ہو جائے گا چھوٹے حلقوں میں کھیلتے وقت گٹیاں رکھی جائیں گی، یہ تعداد میں ۱۸ ہوں گی۔ یہ بھی کارڈ بورڈ سے بنائی جا سکتی ہیں۔ ان میں سے نو سُرخ اور نو نیلی۔ رنگ لو لیجئے جناب سب

تیار ہو گیا ۔ اب کھیل شروع کر دو ۔ مگر کھیل کیسے اپنا ایک اور ساتھی ڈھونڈھ لو ۔ اور دونوں ایک ہی رنگ کی نو نو گٹیاں منتخب کر لو ۔ اب دونوں خالی حلقوں میں گٹیاں رکھتے جاؤ ۔ اگر تم نے ایک ہی لائن کے تین حلقوں میں اپنی گٹیاں رکھ دیں ۔ (اسے قطار بنانا کہتے ہیں) تو تمھارے مخالف کی ایک گٹی مر جائے گی ۔

اگر تمھارے مخالف نے ایک لائن کے دونوں کناروں پر گٹیاں رکھ دیں اور بیچ کا حلقہ خالی ہو تو جھٹ سے تم اپنی گٹی اس بیچ کے حلقے پر رکھ دو ۔ ورنہ وہ قطار بنالے گا اور تمھاری ایک گٹی مر جائے گی ۔

دونوں کھیلنے والے باری باری اپنی اپنی گٹیاں حلقوں پر رکھتے جائیں گے یہاں تک کہ ۱۸ گٹیاں پوری ہو جائیں اب گٹیاں چلنا شروع ہوں گی ۔ ہر گٹی اپنی جگہ سے اٹھ کر اپنی لائن کے خالی خانے میں جا سکتی ہے

اگر تم کوئی قطار بنالو تو ظاہر ہے کہ تمھارے مخالف کی ایک گٹی مر جائے گی ۔ مگر تم اپنے مخالف کی قطار میں سے اس وقت تک گٹی نہیں اٹھا سکتے جب تک کسی دوسری جگہ سے گٹی اٹھانے کا امکان ہے ۔

اگر تم میں سے کسی ایک کی گٹیاں تین تک گھٹ جائیں تو اس کے لئے لائن کی کوئی قید باقی نہ رہے گی جس حلقے پر چاہے اپنی گٹی رکھ سکتا ہے ۔

کھیل میں قطار کو تمھارا مخالف توڑ سکتا ہے ۔ اور تم اسے بار بار بنا سکتے ہو ۔ چاہے پہلی گٹیوں سے یا دوسری گٹیوں سے ۔

اس بات کا خیال رکھو کہ سیدھی لائن سے باہر وہی چل سکتا ہے جس کی گٹیاں تین تک رہ گئی ہوں ۔ ورنہ لائن پر چلنا ہو گا ۔ ساتھ ہی گٹی اسی حلقے پر رکھی جا سکتی ہے ۔ جو پہلے حلقے سے قریب ہو ۔

تلاش کرو

یہ بلی کے چاروں شریر بچے کس طرح درخت پر چڑھے ہوئے ہیں انھوں نے کہیں گھونسلا دیکھ پایا ہے اور خیال یہ تھا کہ اس میں انڈے ہوں گے۔ مگر بھئی واہ گھونسلے میں تو بچے ہیں۔ ان ننھے ننھے بچوں نے جو بلیوں کا لشکر دیکھا تو مارے ڈر کے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اٹھا لیا۔ بے چارے اپنے ماں باپ کو بلا رہے تھے۔ آخر اُن کے ماں باپ بھی آگئے اور انھوں نے ان شریر بچوں کو ٹھونگیں مار مار کر بھگا دیا۔ یہ دونوں اسی تصویر میں چھپے ہوئے ہیں اگر غور سے دیکھو گے تو نظر آجائیں گے۔ ذرا تلاش تو کرو۔